

صحابہ کرام
رضی اللہ عنہم

کی مثالی زندگی



سید محمد واضح رشید حسنی ندوی
(معمد تعلیم ندوۃ العلماء، لکھنؤ)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مثالی زندگی

از

مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی
(معمد تعلیم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

ترجمہ و پیشکش

محمد وثیق ندوی

ناشر

دارالرشید
Dar Al-Rasheed

164/106 Khatoon Manzil, Haidar Mirza Road
Golaganj, Lucknow. Mo: 9452294097-9838154415
daralrasheed2000@yahoo.com

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

۱۴۴۰ھ - ۲۰۱۹ء

نام کتاب	:	صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مثالی زندگی
مؤلف	:	مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی
ترجمہ و پیشکش	:	محمد وثیق ندوی
صفحات	:	۷۲
تعداد	:	گیارہ سو
قیمت	:	Rs.80

ملنے کے پتے

- مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، لکھنؤ، فون: 0522-2741539
- مکتبہ اسلام، گوئن روڈ، امین آباد، لکھنؤ، فون: 9415912042
- مکتبہ ندویہ، احاطہ ندوۃ العلماء، لکھنؤ، فون: 9335070285
- مکتبہ احسان، مکارم نگر، لکھنؤ، فون: 9793118234
- مکتبہ الشباب العلمیہ، شباب مارکیٹ، مکارم نگر، لکھنؤ 9696437283
- الفرقان بکڈ پو، نظیر آباد، لکھنؤ (6535664. 0522)2610443
- ابراہیم بکڈ پو، میدان پور، تکیہ کلاں، رائے بریلی: 9919331295

ناشر

دارالرشید
Dr. **ARasheed**

164/106 Khaton Manzil, Haidar Mirza Road
Golaganj, Lucknow. Mo: 9452294097-9838154415
daralrasheed2000@yahoo.com

فہرست

۵	پیش گفتار
۱۱	پیش لفظ
	صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی میں
۱۶	محبت و فدائیت اور اتباع نبوی کے محیر العقول نمونے
۱۷	صحابہ کرامؓ کے بارے میں قرآنی آیات
۲۱	صحابہ کرام کے بارے میں احادیث نبویہ
۲۵	صحابہ کرام کی خصوصیات
۲۶	محبت و فدائیت کی چند مثالیں
۲۶	حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ
۲۷	حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ
۲۷	حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ
۲۷	حضرت قتادہ بن النعمان رضی اللہ عنہ
۲۷	حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ
۲۸	حضرت انس بن النضر رضی اللہ عنہ
۲۹	حضرت زیاد بن السکن رضی اللہ عنہ
۲۹	حضرت عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ
۳۰	حضرت سعد بن الربیع رضی اللہ عنہ
۳۰	حضرت عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ
۳۰	ہر مصیبت پہنچ ہے
۳۱	حضرت عمیر بن الحمام انصاری رضی اللہ عنہ

۳۱	حضرت زید بن الدہنہ رضی اللہ عنہ
۳۲	حضرت مالک خدری رضی اللہ عنہ
۳۲	حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا
۳۲	حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ
۳۴	مکمل اطاعت و فرمانبرداری
۳۶	حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا واقعہ
۳۸	حضرت عبد اللہ بن ابی رضی اللہ عنہ کا واقعہ
۳۹	عروہ بن مسعود ثقفی کا بیان
۴۰	حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ کا واقعہ
۴۱	حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ
۴۱	صحابہ کرام کا ایمان و یقین اور آزمائش
۴۳	صلح حدیبیہ اور صحابہ کرام کی اطاعت و تابعداری
۴۵	فضالہ بن عمیرؓ اور عمرو بن العاصؓ کا واقعہ
۴۶	حضرات انصار سے موثر خطاب
۴۸	جیش اسامہ رضی اللہ عنہ کی تنفیذ
۴۹	قدسی جماعت
۵۱	صحابہ کرام معیار حق ہیں
۵۴	مدرسہ نبوی کے تربیت یافتہ
۵۷	صبر و برداشت کے نمونے
۶۰	حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا واقعہ
۶۲	عشق نبوی کے نمونہ
۶۳	ہرقل اور ابوسفیان کا مکالمہ
۶۶	صحابہ کرام کا امتیاز
۶۸	درگاہ نبوت کے فیض یافتگان

پیش گفتار

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد المرسلين وخاتم النبيين محمد، وعلى آله وصحبه أجمعين، وبعد۔

”آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تیار کیے ہوئے افراد میں سے ہر ایک نبوت کا شاہکار اور نوع انسانی کے لیے باعث شرف و افتخار ہے، انسانیت کے مرقع میں؛ بلکہ اس پوری کائنات میں پیغمبروں کو چھوڑ کر اس سے زیادہ حسین و جمیل، اس سے زیادہ دلکش و دل آویز تصویر نہیں ملتی، جو ان کی زندگی میں نظر آتی ہے، ان کا پختہ یقین، ان کا گہرا علم، ان کا سچا دل، ان کی بے تکلف زندگی، ان کی بے نفسی، ان کی خدا ترسی، ان کی پاکبازی، ان کی پاکیزگی، ان کی سخاوت، ان کی شفقت و رافت اور ان کی شجاعت و جلالت، ان کا ذوق عبادت، ان کا شوق شہادت، ان کی شہسواری، ان کی شب زندہ داری، ان کی سیم و زر سے بے پروائی، ان کی دنیا سے بے رغبتی، ان کا عدل اور ان کا حسن انتظام، دنیا کی تاریخ میں اپنی نظیر نہیں رکھتا، نبوت کا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے جو انسانی افراد تیار کیے، ان میں ایک ایک فرد ایسا تھا جو اگر تاریخ کی متواتر شہادتیں نہ ہوتیں، تو ایک شاعرانہ تخیل اور ایک فرضی افسانہ معلوم ہوتا، لیکن اب وہ ایک تاریخی حقیقت اور ایک مسلم الثبوت واقعہ ہے، جس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں۔“

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی اس چمکتی تحریر کو والد ماجد مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی (معمد تعلیم ندوۃ العلماء، لکھنؤ) کے ہاتھوں

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے حالات پر مشتمل، اس مہکتے اور مہکاتے حسین گلدستہ کا مقدمہ بناتے ہوئے ہم یہ گلدستہ آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔
 صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت وہ مقدس جماعت ہے جس کو پروردگار عالم نے اپنے محبوب نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت اور آپ کی تعلیمات کی حفاظت کے لیے منتخب فرمایا تھا اور اس پاکیزہ جماعت کے ایک ایک فرد نے پوری دیانت، امانت اور صداقت کے ساتھ اس اہم اور نازک ذمہ داری کو اس طرح انجام دیا کہ اس کی مثال پوری انسانی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو محبت کے اس مقام پر پہنچے کہ اس محبت پر یقین کرنا مشکل، جانثاری کی اس منزل تک پہنچے کہ اس منزل کو سمجھنا مشکل، فکر آخرت کے اس مرتبہ تک پہنچے کہ اس مرتبہ کا تصور مشکل، ہماری محرومی کہ ہماری آنکھیں اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار نہ کر سکیں؛ لیکن احسان ہے ہم پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک ادا، ایک ایک انداز، ایک ایک کیفیت، ایک ایک سنت، ایک ایک تاثر، ایک ایک عمل اور ایک ایک قول کو اس طرح بیان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے کی قدرت نہ رکھتے ہوئے بھی ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کی سعادت حاصل کر لیتے ہیں۔

ہم محسوس کریں یا نہ کریں، لیکن ہوتا کچھ ایسا ہی ہے کہ جب جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تذکرہ ہوتا ہے تو ہمارے دل کی کیفیت اور ہمارے عمل کی صورت بدلتی ہے، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اضافہ ہوتا ہے، صبر کا مزاج بنتا ہے، عمل کا شوق بڑھتا ہے، آخرت کی فکر پیدا ہوتی ہے، گناہوں پر ندامت ہوتی ہے، توبہ کی توفیق ملتی ہے، نماز میں دل لگتا ہے، عبادت کا شوق بڑھتا ہے، عمل میں اخلاص پیدا ہوتا ہے، دل کا زنگ دور ہوتا ہے، دنیا کی طرف بڑھتے قدموں پر ایک بریک لگتا ہے اور دل چیخ چیخ کر دنیا

کو مخاطب کرتے ہوئے وہی کہنے لگتا ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دنیا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا کہ:-

”دور رہ مجھ سے دور، وہ میرے علاوہ دوسرے لوگ ہیں جو تیرے دھوکے میں آتے ہیں، میں تو تجھے تین طلاق دے چکا ہوں، میرے لیے تیری طرف واپسی کا کوئی امکان نہیں، تیری عمر بہت مختصر، تیری زندگی بہت معمولی اور تیرا خطرہ بہت بڑا، آہ! سفر کتنا لمبا ہے، راستہ کتنا ویران ہے اور زادراہ کتنا مختصر ہے۔“

فکر کی بات یہ ہے کہ اس دور میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تذکرہ کم اور بزرگان دین اور اولیاء کرام کا تذکرہ زیادہ ہوتا ہے اور تذکرہ بھی ان کے کشف و کرامات کا نہ کہ ان کی اس عملی زندگی کا جو دوسروں کے لیے نمونہ بن سکے اور لوگوں کو عمل کی ترغیب دے سکے۔

صحابہ کرام کی زندگی سے ہمیں انفرادی زندگی میں بھی رہنمائی ملتی ہے اور اجتماعی زندگی میں بھی، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگی عبارت تھی الفت و مودت سے، ایثار و قربانی سے، کینہ اور حسد سے پاک دل سے، خود نقصان اٹھا کر دوسروں کو فائدہ پہنچانے سے، خدا کی خوشنودی پیش نظر رکھتے ہوئے مال کی طلب سے، ایک دوسرے کے لیے ان کے دل میں جو محبت تھی اور ایک دوسرے پر جتنے وہ مہربان تھے شاید ماں بھی اپنی اولاد پر اتنی مہربان نہ ہو۔

یرموک کی جنگ ہے، تپتی ہوئی زمین پر، زخموں سے چور، پیاس کی شدت سے پانی کے لیے بیتاب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں، مشکیزہ لیے ساتی جب حضرت عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچتا ہے اور پانی کا پیالہ ان کے منہ سے لگاتا ہے تو وہ سہیل بن حارث کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ پہلے میرے اس بھائی کو، یہ مجھ سے زیادہ پیاسا ہے، پانی کا پیالہ لیے وہ شخص سہیل بن حارث کے پاس پہنچتا ہے اور پیالہ ان کے ہونٹوں کی طرف بڑھاتا ہے تو وہ حارث بن ہشام کی طرف اشارہ کرتے

ہوئے کہتے ہیں کہ پہلے میرے اس بھائی کو، پانی پلانے والا حارث بن ہشام کی طرف قدم بڑھا دیتا ہے، لیکن جب وہ ان کے پاس پہنچتا ہے تو وہ دم توڑ چکے ہوتے ہیں، وہ پلٹ کر سہیل بن حارث کے پاس آتا ہے تو ان کی بھی روح پرواز کر چکی ہوتی ہے، وہ دوڑتا ہوا عکرمہ بن ابو جہل کے پاس پہنچتا ہے تو وہ بھی دنیا سے رخصت ہو چکے ہوتے ہیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ضرار بن ضمیر سے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کچھ بتاؤ، شروع میں تو ضرار بن ضمیر نے معذرت چاہی، لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب اصرار پر اصرار کیا تو انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کچھ اوصاف بیان کیے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ کا اتنا اثر پڑا کہ ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی، آنسو تھے کہ تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے اور رخسار سے ہوتے ہوئے ان کی داڑھی پر گر رہے تھے، روتے ہوئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ضرار بن ضمیر سے کہا کہ خدا کی قسم وہ ایسے ہی تھے، پھر انہوں نے ضرار بن ضمیر سے پوچھا کہ یہ بتاؤ کہ ان کے انتقال پر تمہیں کتنا صدمہ ہوا؟ ضرار بن ضمیر نے جواب دیا: اس ماں کی طرح جس کا بچہ اس کی گود میں ذبح کر دیا جائے، تو نہ تو کبھی اس کے آنسو تھمتے ہیں اور نہ کبھی اس کے دل کو قرار آتا ہے۔

مکہ مکرمہ سے مہاجرین کا قافلہ مدینہ منورہ پہنچتا ہے، خالی ہاتھ، تہی دامن، لٹاپٹا، سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر، قربان جائیے اہل مدینہ کی مہمان نوازی پر، ان کے ایثار و قربانی پر، ان کی سخاوت و فیاضی پر، ان کی غمخواری و غمگساری پر، ان کی اسلامی اخوت و محبت پر، اپنی ہر چیز میں آدھا حصہ اپنے مہاجرین بھائیوں کا لگا دیا اور وہ بھی یہ کہتے ہوئے کہ آپ جو پسند کریں۔

اسلامی تاریخ کے ناقابل شکست جرنیل حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ دمشق کی مہم پر ہیں، فوج کی قیادت ان کے ہاتھ میں ہے، امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حکم آتا ہے کہ قیادت ان سے لے کر حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو دے دی جائے،

حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی طرف سے نہ کوئی احتجاج ہوتا ہے نہ کوئی آواز اٹھتی ہے اور نہ ان کے چاہنے والوں کی طرف سے کوئی رد عمل سامنے آتا ہے؛ بلکہ ان کے منہ سے صرف یہ نکلتا ہے کہ امیر المؤمنین کا جو حکم ہو، میں اس کا پابند ہوں اور قیادت حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کے ہاتھ میں دیکر ان کی ماتحتی میں اسی جذبہ کے ساتھ لڑنے کے لیے تیار نظر آتے ہیں۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کھانے کے لیے دسترخوان پر بیٹھتے ہیں تو خلاف معمول کھانے میں ایک میٹھی چیز دیکھتے ہیں تو تعجب سے اپنی اہلیہ سے پوچھتے ہیں کہاں سے آئی؟ اہلیہ جواب دیتی ہیں! گھر کے خرچ کے لیے جو آپ رقم دیا کرتے تھے اس میں سے بچا بچا کر میں نے اتنی رقم جمع کر لی تھی کہ آج یہ میٹھی چیز بنا سکی، خلیفۃ المسلمین حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: گویا گھر کا خرچ اس سے کم میں چل سکتا ہے جتنا میں تم کو دیا کرتا تھا، چنانچہ اسی وقت وہ بیت المال سے ملنے والی اپنی تنخواہ میں اتنی رقم کم کر دیتے ہیں جو ان کی اہلیہ بچا لیا کرتی تھیں۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگی کے یہ وہ چند واقعات ہیں جو ہماری آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہیں، آج صورتحال یہ ہے کہ بھائی بھائی کا حصہ دینے کو تیار نہیں، دوست دوست کی تعریف سننے پر آمادہ نہیں، احتیاط نام کی زندگی میں کوئی چیز نہیں، برطرفی تو بڑی چیز ہے، عہدہ گھٹا دیا جائے تو برداشت نہیں، ان حالات میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگی کے یہ نمونے سامنے لانے کی سخت ضرورت ہے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے تذکرہ کا اہتمام کیا جائے تاکہ ہماری نوجوان نسل ان کی عظمت، تقدس اور ان کی اہمیت سے پوری طرح واقف ہو سکے اور ان کی زندگی کو اپنے لیے مشعل راہ بنا سکے۔

یہ کتاب اصلاً عربی میں لکھی گئی تھی، مولانا محمد وثیق ندوی استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ اس کو اردو میں منتقل کیا اور اصل کتاب کی تاثیر،

مصنف کا جذبہ اور موضوع کی دلکشی و دل آویزی کو باقی رکھنے میں وہ بڑی حد تک کامیاب بھی رہے۔

اس کتاب کو آپ تک پہنچانا ہمارے لیے ایک بڑی سعادت کی بات ہے، ونا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس عمل کو قبول فرمائے اور اس کو ہم سب کے لیے ذخیرہ آخرت بنائے۔

جعفر مسعود حسنی ندوی

۲۵ ربیع الثانی / ۱۴۴۰ھ

۲ جنوری / ۲۰۱۹ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پیش لفظ

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد الأنبياء وخاتم

المرسلين محمد بن عبد الله الأمين، وعلى آله وصحبه أجمعين وبعد۔

رسول اکرم محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیغام، دعوت اور نبوی تربیت سے ایسے نیک، صالح اور متقی افراد تیار کیے جو اللہ کی وحدانیت پر سچا ایمان و پختہ یقین رکھتے تھے، اللہ سے ڈرتے تھے، دنیا پر آخرت کو ترجیح دیتے تھے، دنیاوی مال و متاع کی ان کی نظروں میں کوئی حیثیت نہیں تھی، اپنی ایمانی اور روحانی قوت سے مادیت پر قابو پالیا تھا، ان کا یہ یقین اسخ تھا کہ دنیا ان کے لیے پیدا کی گئی ہے اور وہ خود آخرت کے لیے پیدا کیے گئے ہیں، وہ تجارت میں سچے اور امین تھے، فقر و فاقہ میں عزت نفس اور انسانی شرافت کا دامن ان کے تھ سے نہیں چھوٹنے پایا، ہر حال میں صابر و شاکر تھے، قول و قرار کے پکے تھے، عملوں خیر خواہی اور ہمدردی کے پیکر تھے، ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں مخلص اور امانتدار تھے، حکومت، اقتدار اور غلبہ کی حالت میں رحم دل، متواضع اور ملنسار تھے اور بیت المال کے بہترین محافظ اور واقف کار خازن تھے۔

اسی قدسی اور نبوی تربیت یافتہ جماعت کے فضل سے قرن اول میں اسلام پوری

دنیا میں پھیلا، لہذا صحابہ کرامؓ اس امت کا خلاصہ اور عطر ہیں، بلکہ انبیاء اور رسولوں کے مد پوری نوع انسانی میں سب سے افضل اور برتر ہیں، اللہ کو ایک مانا، اسلام کو اپنا دین مانا

اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول مانا، یہ ایمان ان کے دلوں میں پہاڑ کی طرح راسخ اور مستحکم تھا، ایمان لاتے ہی ان کی دنیا بدل گئی، گویا ابھی پیدا کیے گئے ہوں، ان کا تاریک ماضی روشن ہو گیا، ان کے وجود میں ایمان کی لہر دوڑ گئی، اب بس ایک ہی مقصد تھا کہ اللہ کی رضا و خوشودی حاصل ہو جائے، ان پر آخرت میں اپنے رب سے ملاقات شوق چھا گیا اور اس جنت کی طلب صادق پیدا ہو گئی جس کی وسعت زمین و آسمان بیان کی گئی ہے۔ صحابہ کرامؓ نے ایمان کے راستے میں اپنا سب کچھ قربان کر دیا، اللہ کی رضا کی خاطر اپنا وطن چھوڑا، گھر بار چھوڑا، طرح طرح کی اذیتیں اور مشقتیں برداشت کیں، جہاد کیا، اللہ اور اس کے رسول کے لیے قربانیاں دیں، انہی کی بدولت اسلام کا بول بالا ہوا، اس کو قوت و استحکام حاصل ہوا اور پھر لوگ اسلام میں جوق در جوق داخل ہو گئے۔

وفات رسولؐ کے بعد صحابہ کرامؓ اسلام کے سچے داعی و سپاہی بن گئے، اسلام کے پرچم کو بلند کیا اور دنیا کے چپہ چپہ میں اسلام اور اس کی تعلیمات کو عام کیا، زندگی کی آخری سانسوں تک اسلام کی دعوت دیتے رہے اور اس کی خدمت کرتے رہے، لوگوں کو شرک و کفر کی تاریکیوں سے نکال کر توحید کی روشنی کی طرف لائے اور دنیا اور آخرت کی سعادت سے سرفراز کیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی نسل ممتاز ترین اور افضل ترین نسل ہے جس کی اسلامی دعوت کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی، بلکہ انبیاء کی تاریخ میں ایسا نمونہ نظر نہیں آتا، صحابہ کرام کے فضل و احسان کا انکار ہٹ دھرم اور سرکش شخص ہی کر سکتا ہے، تمام صدیوں میں اس امت پر ان کے احسانات ہیں اور وہ بغیر کسی تفریق و امتیاز کے قیامت تک نمونہ اور معیار ہیں۔

بلاشبہ تمام صحابہ کرامؓ نبوی مدرسہ کے فیض یافتہ ہیں اور شجر نبوی کے پھل ہیں اور ابتلاء و آزمائش کے مختلف مراحل سے گزر کر پروانہ الہی ”رضی اللہ عنہم“ سے سرفراز ہوئے،

اس قدسی جماعت پر جس سے اللہ اور اس کا رسول راضی ہوا، اگر کوئی کیچڑا چھالتا ہے تو وہ درحقیقت نبوی تعلیم و تربیت اور شجر نبوی پر کیچڑا چھالتا ہے۔

صحابہ رسول نے اطاعت خدا، اتباع رسول، اوامر کے نفاذ اور منہیات سے اجتناب میں اعلیٰ ترین مثال قائم کی ہے، جس کی کوئی نظیر نہیں ملتی، یہی وہ قدسی جماعت ہے جس کے ذریعہ اسلام اپنی صحیح شکل و صورت میں ہم تک پہنچا ہے، پوری امت ان کے احسانات سے گراں بار ہے۔ صحابہ کرامؓ نے اسلام کی سربندی اور اس کی اشاعت کی خاطر جو بے مثال قربانیاں دیں ہیں، جن آزمائشوں سے گزرے ہیں اور خدا اور رسول کی اطاعت و انقیاد کے جو انمٹ نقوش چھوڑے ہیں، وہ سب تاریخ کی کتابوں میں موجود ہے، غیروں نے بھی صحابہ کرام کے مقام و مرتبہ کا اعتراف کیا ہے۔

اسلامی تاریخ کا یہ بڑا المیہ ہے کہ شرعی علوم (تفسیر، حدیث اور فقہ) سے اشتغال کی وجہ سے مورخین اور مصنفین نے تاریخ پر کوئی خاص توجہ نہیں دی، نتیجتاً تاریخ کے موضوع پر ایسے لوگوں نے قلم نہ اٹھایا جنہوں نے تاریخی روایات و واقعات کے سلسلہ میں اس اصول و معیار کا خیال نہیں رکھا جو روایت حدیث میں اختیار کیا گیا، صرف روایات اکٹھا کر دی گئیں اور ان کی چھان بین نہیں کی گئی، بعض مورخین نے اس کا اعتراف بھی کیا ہے، خود اصفہانی نے اپنی مشہور زمانہ کتاب ”الانغانی“ میں اس کا اعتراف کیا ہے، ان مورخین میں ایسے لوگ بھی گھس آئے جو روایات کے نقل میں محتاط نہیں تھے؛ بلکہ اپنی کتابوں میں رطب و یابس ہر طرح کی چیزوں اور اختلافی روایتوں کو داخل کر دیا؛ بلکہ بعض عظیم اسلامی شخصیتوں کے تعلق سے افتراء پردازی سے بھی گریز نہیں کیا اور ان کی طرف من گھڑت باتیں منسوب کر دیں، اسی وجہ سے تاریخی روایات میں تضاد اور ٹکراؤ پایا جاتا ہے، علامہ ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اس کے بعد مستشرقین کا دور آیا اور انہوں نے تاریخ اور سیرت نبوی کو موضوع بنایا اور

ایسے مسائل اٹھائے جن سے بعض اسلامی شخصیتوں کے تعلق سے شبہات پیدا ہوئے، پھر ان کے عرب اور غیر عرب شاگردوں نے ان شکوک و شبہات کو اور ہوادی اور موثر انداز میں بڑھا چڑھا کر پیش کیا اور آج بھی اسلامی تاریخ کو ایک مخصوص زاویہ سے پیش کرنے کا عمل جاری ہے، اس پروپیگنڈہ سے وہ مسلمان مورخین بھی متاثر ہوئے جن کی تعلیم و تربیت مستشرقین کے زیر اثر ہوئی، یا اسلامی موضوعات پر مستشرقین ہی کی لکھی ہوئی کتابوں کو مرجع بنایا، اس کی مثال ڈاکٹر طہ حسین کی کتاب ”سلسلۃ الفتنة الكبرى“ ہے، جن لوگوں نے مشاجرات صحابہ کو موضوع بنایا، ان کا مرجع اصفہانی کتاب ”الانغانی“ رہی ہے، اصفہانی ایک پیشہ ور صاحب قلم تھا، اس نے حجاز کے معاشرہ کی جو بد نما تصویر پیش کی ہے وہ اس زمانہ میں بھی تصور سے باہر ہے اور ایسی روایات نقل کر دی ہیں جن سے صحابہ کرام کا مقام و مرتبہ اور اعتبار مجروح ہوتا ہے۔

موجودہ عہد میں ایک بار پھر ایسی کوششیں ہو رہی ہیں اور ایسی کتابیں اور مقالات لکھے جا رہے ہیں جن سے اسلامی تاریخ کا روشن چہرہ داغ دار ہو رہا ہے اور بعض اسلامی شخصیتوں کو اور تاریخ میں ان کے مثالی کردار کو نشانہ بنایا جا رہا ہے، حتیٰ کہ صحابہ کرام، امہات المؤمنین اور صحابیات کو نشانہ بنایا جا رہا ہے، ان مورخین اور مقالہ نگاروں کا مرجع وہ کتابیں ہیں جو تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں تصنیف کی گئیں جب کہ اسلامی معاشرہ مختلف عناصر پر مشتمل تھا خصوصاً فارسیوں (ایرانیوں) کا غلبہ تھا جن کا دل صاف نہیں تھا اور ان کے دل و دماغ میں عربوں کے ہاتھوں قادیسیہ کی فتح کا زخم مندمل نہیں ہوا تھا۔ فقہی مسالک اور فرقوں کی وجہ سے بھی بعض صحابہ کو نشانہ بنایا گیا۔

پیش نظر رسالہ میں کوشش کی گئی ہے کہ صحابہ رسول کے ان پہلوؤں کو سامنے لایا جائے جو عام طور پر نظروں سے اوجھل رہتے ہیں، یہ رسالہ اصلاً ان مقالات کا خلاصہ اور ترجمہ ہے جو فضائل صحابہ پر منعقد سیمیناروں میں پیش کیے گئے اور بعض عربی رسائل

ومجلات میں شائع ہوئے، اور پھر کتابی شکل میں شائع ہوئے، اب اردو داں طبقہ کے لیے پیش کیے جا رہے ہیں، یہ کام میرے علمی معاون مولوی محمد وثیق ندوی (استاد تفسیر و ادب دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ) نے انجام دیا ہے، انہیں اس کا بڑا سلیقہ اور ذوق ہے، اس سے پہلے بھی کئی مجموعے مرتب کر چکے ہیں، عربی سے اردو میں ترجمہ کے ساتھ حوالہ جات کی مراجعت بھی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس عمل کو قبول فرمائے اور ہم سب کو رسول اور اصحاب رسول کی محبت نصیب فرمائے (آمین)۔

محمد واضح رشید حسنی ندوی
ندوۃ العلماء لکھنؤ

۲۴ ربیع الثانی / ۱۴۴۰ھ
یکم جنوری / ۲۰۱۹ء

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی میں

محبت و فدائیت اور اتباع نبوی کے محیر العقول نمونے

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت طیبہ اور دین کی نصرت و اشاعت میں ان کے غیر معمولی کارناموں اور اسلام کے فروغ کے لیے ان کی ناقابل فراموش خدمات کو وقتاً فوقتاً خود مسلمانوں کے سامنے لانے کی ضرورت ہوتی ہے، تاکہ دین اسلام پر اعتماد بحال رہے، اسلام کی صحیح شکل ان کے دل و دماغ میں تازہ رہے اور ایمان و یقین، اتباع سنت، حب رسول اور اشاعت دین کے راستہ میں قربانی دینے کا جذبہ دلوں میں موجزن رہے، یہ قدسی جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت بابرکت سے فیضیاب ہوئی اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کو جان و دل سے زیادہ عزیز رکھ کر راہ خدا میں سخت اذیتیں اٹھائیں اور قربانیاں دیں، گھر بار چھوڑا، جہاد کیا، ہجرت کی اور دنیا میں دین کے پیغام کو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ اور قرآن کے پیغام کو عام کرنے کے لیے نکل پڑے، ایک براعظم سے دوسرے براعظم تک، عرب سے عجم تک اور جہاں ممکن ہو او وہاں گئے اور جہاں خود نہ پہنچ سکے وہاں تابعین کو بھیجا، کچھ نے جام شہادت نوش کیا، کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ڈھال بنے اور دنیا کے ایک حصہ سے دوسرے حصہ میں جا کر اپنے اعلیٰ اخلاق و کردار کے ذریعہ اسلام کی حقانیت ثابت کی اور لوگوں کی تربیت کے ذریعہ ایمان و یقین دلوں میں راسخ کیا اور ربانیت پیدا کی، صحابہ کرامؓ کا قیامت تک آنے والی نسلوں پر احسان رہے گا،

کوئی تسلیم کرے یا نہ کرے، یہ ایک حقیقت ہے جس کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

صحابہ کرامؓ کے بارے میں قرآنی آیات

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اسلام کے لیے قربانی، اللہ کی محبت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے فدائیت اور ایک دوسرے کے لیے ایثار، تعاون، ہمدردی، زہد و عبادت، تواضع، نماز میں انہماک، توحید کی پختگی، کفر و شرک سے آخری درجہ کی نفرت، اللہ کی رضا اور اس کے فضل کی طلب، توبہ و انابت، اللہ اور اس کے رسول کے فرمان کے آگے جان دینے اور سب کچھ قربان کر دینے کا جذبہ، خشیت اور اللہ کا خوف اور اللہ کی راہ میں زیادہ سے زیادہ خرچ کرنے کا جذبہ، گناہوں سے اجتناب، طاعات کا شوق اور اس میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانا اور جو عہد کرنا اس کو پورا کر دکھانا، یہ سب صفات و خصوصیات اور امتیازات اسی قدسی جماعت کے تھے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و رفاقت اور ان کے ساتھ جہاد و قربانی کے لیے تیار کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد جگہ ان کے ان اوصاف کا ذکر کیا ہے اور ان کو اپنی رضامندی کا پروانہ دیا ہے {رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ} (سورۃ التوبہ: ۱۰۰)۔

مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيَّمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذَٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَةِ ۖ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ ۖ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۗ وَعَدَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ﴿٢٩﴾ (سورہ فتح: ۲۹)

محمد اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں، کافروں پر سخت ہیں،

آپس میں رحمدل ہیں، تو انہیں دیکھے گا کہ رکوع اور سجدہ کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں ہیں، ان کا نشان ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے ہے، ان کی یہی مثال توریت میں ہے اور ان کی مثال انجیل میں ہے، مثل اس کھیتی کے جس نے اپنا انکھوا نکالا، پھر اسے مضبوط کیا اور وہ موٹا ہو گیا، پھر اپنے تنے پر سیدھا کھڑا ہو گیا جو کسانوں کو خوش کرنے لگاتا کہ ان کی وجہ سے کافروں کو چڑائے، ان ایمان والوں اور نیک اعمال والوں سے اللہ تعالیٰ نے بخشش کا اور بہت بڑے اجر کا وعدہ کیا ہے۔

لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبَ فَرِيقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ إِنَّهُ بِهِمْ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿١١٨﴾ وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خُلِفُوا حَتَّىٰ إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنفُسُهُمْ وَظَنُّوا أَنْ لَا مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿١١٩﴾ (سورہ توبہ: ۱۱۷-۱۱۸)

یقیناً اللہ نبی پر اور مہاجرین و انصار پر مہربان ہوا جنہوں نے مشکل گھڑی میں بھی نبی کا ساتھ دیا جبکہ لگتا تھا کہ ان میں بعضوں کے دل پھر جائیں گے، پھر وہ ان پر مہربان ہوا، بلاشبہ وہ تو ان پر بڑا شفیق اور رحم کرنے والا ہے اور ان تین پر بھی جن (کے معاملہ) کو موخر کیا گیا، یہاں تک کہ جب زمین اپنی وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی اور ان کی جانیں ان پر دو بھر ہو گئیں اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اللہ کے سوا کہیں اور پناہ نہیں تو پھر وہ ان پر مہربان ہوا تاکہ وہ پلٹ آئیں، بلاشبہ اللہ ہی بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي

قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا ﴿۱۸﴾ وَمَعَايِمَ
كَثِيرَةً يَأْخُذُونَ بِهَا ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿۱۹﴾ (سورہ فتح: ۱۸-۱۹)

اللہ ان ایمان والوں سے خوش ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے تو اس نے ان کے دلوں کو پرکھ لیا، پھر ان پر سکون اتارا اور قریب ہی ایک فتح انعام میں دی اور بہت سا مال غنیمت بھی ان کے ہاتھ آئے گا اور اللہ غالب ہے حکمت والا ہے۔

وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ
بِإِحْسَانٍ ۗ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتِهَا
الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۗ ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۱۵﴾ (سورہ توبہ: ۱۰۰)

اور مہاجرین و انصار میں سے پہلے سبقت کرنے والے اور جنہوں نے بہتر طریقہ پر ان کی پیروی کی، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے اور اللہ نے ان کے لیے ایسی جنتیں تیار کر رکھی ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، اسی میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے، یہی بڑا کامیابی ہے۔

لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ
فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَنْصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۗ أُولَٰئِكَ هُمُ
الصَّادِقُونَ ﴿۸﴾ وَالَّذِينَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ
هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِمَّا أُوتُوا وَيُؤْتُونَ عَلَى
أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۗ وَمَنْ يُوقِ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ
الْمُفْلِحُونَ ﴿۹﴾ (سورہ حشر: ۸-۹)

(یہ مال فقی) ان وطن چھوڑنے والے محتاجوں کا بھی ہے جن کو ان کے گھروں سے اور مالوں سے نکالا گیا، وہ صرف اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی چاہتے ہیں

اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جو سچے ہیں اور جو ایمان کے ساتھ پہلے ہی سے اس جگہ (یعنی مدینہ) میں مقیم ہیں، جو ان کی طرف ہجرت کر کے آتا ہے اس سے محبت کرتے ہیں اور جو ان کو دیا جاتا ہے یہ اپنے جی میں اس کی خواہش بھی محسوس نہیں کرتے اور وہ (دوسروں کو) اپنی جانوں پر مقدم رکھتے ہیں، خواہ خود تنگ دستی کا شکار ہوں اور جو بھی اپنے جی کی لالچ سے بچا لیا گیا تو ایسے لوگ ہی کامیاب ہیں۔

إِنَّمَا يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا الَّذِينَ إِذَا ذُكِرُوا بِهَا خَرُّوا سُجَّدًا وَسَبَّحُوا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ
وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ۝۱۵ تَتَجَافَى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ
رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا ۚ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ۝۱۶ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا
أُخْفِيَ لَهُمْ مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ ۚ جَزَاءُ مِمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝۱۷

(سورہ سجدہ: ۱۵-۱۷)

ہماری نشانیوں کو ماننے والے تو وہ ہیں کہ جب وہ نشانیاں ان کو یاد دلائی جاتی ہیں تو وہ سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور وہ اکڑ نہیں دکھاتے، ان کے پہلو بستروں سے الگ رہتے ہیں، وہ اپنے رب کو خوف اور امید سے پکارتے رہتے ہیں اور ہم نے ان کو جو کچھ دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں، تو کوئی بھی نہیں جانتا کہ ان کے کاموں کے بدلہ میں کیا کچھ ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک چھپا کر رکھی گئی ہے جو وہ کرتے رہے ہیں۔

وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْقَى لِلَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۝۱۸
وَالَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبِيرَ الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشِ وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ
يَغْفِرُونَ ۝۱۹ وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَمْرُهُمْ
شُورَىٰ بَيْنَهُمْ ۚ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ۝۲۰ وَالَّذِينَ إِذَا أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ

هُمَّ يَنْتَصِرُونَ ﴿۳۹﴾ (سورہ شوری: ۳۶-۳۹)

اور جو اللہ کے پاس ہے وہ بہتر ہے اور باقی رہنے والا ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے اور اپنے رب پر ہی بھروسہ کرتے ہیں اور جو بڑے گناہوں سے اور بے حیائی سے بچتے ہیں اور جب غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں اور اپنے رب کی بات مانتے ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں اور ان کے معاملات آپس کے مشورہ سے (طے ہوتے) ہیں اور جو رزق ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں اور جب ان پر زیادتی ہوتی ہے تو وہ مقابلہ کرتے ہیں۔

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رَجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ، فَمِنْهُمْ مَّنْ قَطِي نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَنْتَظِرُ ۗ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا ﴿۴۰﴾ لِيَجْزِيَ اللَّهُ الصَّادِقِينَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنْفِقِينَ إِنْ شَاءَ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿۴۱﴾ (سورہ احزاب: ۲۳-۲۴)

انہی ایمان والوں میں وہ لوگ بھی ہیں کہ انہوں نے اللہ سے جو عہد کیا وہ پورا کر دکھایا، تو بعضوں نے اپنا ذمہ پورا کر دیا اور بعض انتظار میں ہیں اور وہ ذرا بھی نہیں بدلے تاکہ اللہ سچوں کو ان کی سچائی کا بدلہ دیدے اور منافقوں کو چاہے تو عذاب دے یا چاہے تو ان کو توبہ کی توفیق عطا فرمادے، یقیناً اللہ بہت مغفرت فرمانے والا نہایت رحم کرنے والا ہے۔

صحابہ کرام کے بارے میں احادیث نبویہ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے متعلق صحیح احادیث کا بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے جس میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بہت اہمیت کا حامل ہے:-

”خیر امتی قرنی، ثم الذین یلونہم، ثم الذین یلونہم، قال عمران:

فلا أدري أذكر بعد قرنه قرنين أو ثلاثة؟ ثم إن بعدهم قوماً
يشهدون ولا يستشهدون، ويخونون ولا يؤتمنون، وينذرون
ولا يوفون، ويظهر فيهم السمن“ -

میری بہترین امت میرے زمانہ کے لوگ ہیں، پھر جوان کے بعد آئیں گے،
پھر وہ جوان کے بعد آئیں گے، حضرت عمران کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات یاد نہیں
رہی کہ آپ نے اپنا زمانہ ذکر کرنے کے بعد دو زمانوں کا ذکر کیا یا تین زمانوں کا،
پھر ان کے بعد ایسے لوگ آئیں گے جو گواہی دیں گے حالانکہ ان سے گواہی
نہیں مانگی جائے گی، وہ خیانت کریں گے، امین نہیں بنائے جائیں گے،
نذریں مانیں گے لیکن پوری نہیں کریں گے اور ان میں موٹا پا ظاہر ہو جائے گا۔
(بخاری و مسلم)

سابقین اولین کے فائق اور زیادہ بلند مقام کے حامل ہونے کے لیے حضرت
ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کافی ہے جس میں حضور
صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے بعد ایمان لانے والے صحابی اور شروع میں ایمان لانے
والے صحابی کے سلسلہ میں ارشاد فرمایا ہے:

”لا تسبوا أصحابي فوالذي نفسي بيده لو أنفق أحدكم مثل أحد
ذهبا ما بلغ مد أحدهم ولا نصيفه“

میرے ساتھیوں کو برا نہ کہو، جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس کی قسم کہ اگر تم
میں کوئی احد (پہاڑ) کے برابر سونا خرچ کر ڈالے تو ان میں سے کسی ایک کے مد
یا نصف مد کے برابر صدقہ کی بھی برابر نہیں کر سکتا۔ (بخاری و مسلم)

حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:-

”اللہ سے میرے صحابہ کے بارے میں ڈرو، ان کو ملامت کا نشانہ نہ بناؤ، جو شخص ان سے محبت رکھتا ہے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت رکھتا ہے اور جو ان سے بغض رکھتا ہے وہ میرے بغض کی وجہ سے بغض رکھتا ہے جو شخص ان کو اذیت دے اس نے مجھ کو اذیت دی اور جس نے مجھ کو اذیت دی اس نے اللہ کو اذیت دی اور جو شخص اللہ کو اذیت دیتا ہے قریب ہے کہ پکڑ میں آجائے۔“
(ترمذی، باب فیمن سب اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ومسند احمد: ۸۷/۴)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:
جب تم لوگوں کو دیکھو کہ وہ صحابہ کو گالیاں دے رہے ہیں، تو کہو: تم میں سے سب سے برے پر اللہ کی لعنت ہو۔ (ترمذی، باب المناقب)

ایک حدیث میں اپنے طریقہ کی اتباع کے ساتھ خلفائے راشدین کے طریقہ کو اختیار کرنے کی وصیت فرمائی، حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم میں سے میرے بعد جو بھی زندہ رہے گا وہ بہت سے اختلافات دیکھے گا تو ایسی صورت میں میری اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کرتے رہنا اور اسے تھامے رکھنا اور دانتوں سے مضبوط پکڑے رہنا اور نئی نئی باتوں سے بچنا کیونکہ ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ (امام احمد، ابوداؤد، ترمذی، امام ترمذی نے اس کو حسن صحیح کہا ہے)۔

اور ایک روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

”اصحابی کالنجوم بأیہم اقتدیتم اہتدیتم“

میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں جس کی اتباع کرو گے ہدایت پاو گے۔

امام بخاری نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔
 ”انصار کی محب ایمان کی علامت ہے، اور انصار سے بغض نفاق کی علامت

ہے“ (کتاب الایمان، باب علامۃ الایمان حب الانصار)
 ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ نجات پانے والا اور جنت میں داخل ہونے والا فرقہ کونسا ہوگا؟ آپ نے فرمایا:
 جو اس راستہ پر چلے جس پر میں اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں“۔ (ترمذی)
 حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا:

میرے صحابہ کی عزت اور ان کا اکرام کرو، یقیناً وہ تم میں بہترین لوگ ہیں۔
 (امام احمد، نسائی اور حاکم نے صحیح سند سے روایت کیا ہے)
 ایک دوسری روایت میں آپ نے فرمایا کہ
 میرے صحابہ کے بارے میں میرا خیال رکھو۔

(ابن ماجہ: ۶۴/۲، امام احمد: ۱۸/۱)

حضرت واٹلہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ اس وقت تک برابر خیر و عافیت سے ساتھ رہو گے جب تک تمہارے درمیان وہ لوگ موجود ہوں گے جنہوں نے مجھے دیکھا اور میری صحبت اختیار کی، خدا کی قسم تم لوگ برابر خیر و عافیت کے ساتھ رہو گے جب تک تمہارے درمیان وہ لوگ موجود ہوں گے جنہوں نے مجھے دیکھنے اور میری صحبت اٹھانے والوں کو دیکھا (یعنی تابعین) (مصنف ابن شیبہ: ۱۷۸/۱۲)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ

تم میں جو شخص کسی کے طریقہ کو اختیار کرنا چاہے تو اسے چاہئے کہ وہ اصحاب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ اختیار کرے، اس لیے کہ اصحاب رسول امت میں سب سے بہترین اور سب سے زیادہ نیک دل اور سب سے زیادہ گہرے علم والے اور سب سے کم تکلف برتنے والے اور سیرت و کردار میں سب سے بہتر تھے اور ان کے احوال سب سے اچھے تھے، یہ ایسے لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت و رفاقت کے لیے اور اقامت دین کے لیے منتخب فرمایا، چنانچہ ان کی فضیلت اور مقام و مرتبہ کو سمجھو اور ان کی پیروی کرو، یہ تمام صحابہ ہدایت مستقیم پر تھے۔“

(شرح السفارینی للدرۃ المضية ۲/۲۸۰)

ابوداؤد طیالسی نے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام بندوں کے دلوں پر نگاہ ڈالی تو ان میں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند فرمایا اور انہیں اپنا رسول بنا کر بھیجا، پھر دوبارہ لوگوں کے دلوں پر نگاہ ڈالی تو صحابہ کے دلوں کو سب سے بہتر پایا اور ان کو آپ کی رفاقت و صحبت کے لیے اور اپنے دین کی نصرت و مدد کے لیے چنا۔“

(شرح السفارینی للدرۃ المضية ۲/۲۸۰)

صحابہ کرام کی خصوصیات

صحابہ وہ تھے کہ جب اسلام کی دعوت پیش کی گئی تو انہوں نے اس پر اپنے ایمان و یقین کی بات کہی، اللہ تعالیٰ نے ان کی بات نقل فرمائی کہ: ”رَبَّنَا إِنَّا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ آمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا“ اور ان کا معاملہ یہ ہوا کہ اپنے کو پورے طور سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ کر دیا اور اس طرح حوالہ کر دیا کہ جہاں کر دیا نرم زما گئے وہ، جہاں کر دیا گرم گرم زما گئے وہ، ان کے لیے تکلیف تکلیف نہ رہی، اور جس میں ان کی پہلے خوشی تھی

اس میں اللہ اور اس کے رسول کی خوشی نہ پائی تو اس خوشی کو فنا کر دیا، چنانچہ ایمان بالغیب، للہی محبت، نبوی فدائیت، آپسی ایثار و تعاون، ایمان والوں کے لیے نہایت نرم دل اور اہل کفر و شرک پر نہایت سخت، آخرت کو پیش نظر رکھنا، لوگوں کی اصلاح اور ہدایت کی فکر اور حرص کہ کس طرح لوگ سب کے سب ایک اللہ کے ہو کر رہیں اور اسلام کے سایہ عدل میں سیر کریں، کس طرح اللہ کا شوق اور جنت کی طلب پیدا ہو جائے اور اس سے آگے دنیا و مافیہا نگاہوں سے بالکل گر جائے، یہ سب صحابہ کرام کی ممتاز خصوصیات ہیں، یہی جذبہ اور حوصلہ تھا کہ جس نے صحابہ کو اپنی محبوب جگہ مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ میں رہنے نہ دیا اور وہ دور دور نکل گئے، وطن کو خیر آباد کہا اور کفر و شرک کی جگہوں میں جا کر ایمان کی عطر بیز ہوا چلائی، توحید و ایمان، عبادت و تقویٰ، اور سنت و طاعت کی حکومتیں قائم ہوئیں، اسلام دنیا کے چپہ چپہ میں پھیلتا چلا گیا اور جہاں وہ گئے وہاں اسلام اپنی زبان و ثقافت کے ساتھ گیا اور وہ عجمی ملک عربی اسلامی ملک بنا گئے، جہاں وہ خود نہیں گئے وہاں اسلام تو پہنچا، لیکن زبان و ثقافت نہیں بدلی جس کی وجہ سے مشرکانہ رسوم اور جاہلی عادات اور رسم و رواج اپنا اپنا رنگ ظاہر کرتی رہیں۔

یہ نتیجہ تھا صحابہ کرام کا اپنے نبی ﷺ سے بے پناہ عشق و محبت کا، فدائیت اور جانثاری کا، صحابہ کرام نے سنت نبوی کو حرزِ جاں بنا لیا تھا، ان کی پوری زندگی حیات نبوی اور سنت نبوی کا صاف و شفاف آئینہ تھی، ان کی زندگی کا کوئی بھی شعبہ سنت رسول کی نمائندگی سے خالی نہیں تھا، دشمنوں نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے کہ صحابہ کرام وہ مثالی جماعت ہے جس نے سنت رسول پر عمل کا بہترین نمونہ پیش کیا ہے۔

محبت و فدائیت کی چند مثالیں

حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ

محبت و فدائیت کی مثالیں بہت ہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پاکیزہ زندگی

میں جلوہ گر رہیں، خاص طور پر احد کی جنگ میں اس کی ایسی مثالیں سامنے آئیں جس کی دنیا نظیر نہیں پیش کر سکتی۔

حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ نے خود کی ایک کڑی کو اپنے دانتوں سے پکڑ کر نکالا تو اسی کے ساتھ ان کا ایک دانت بھی گر پڑا، دوسری کڑی نکالی تو دوسرا دانت بھی اس کے ساتھ آ گیا۔

حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ

ابو دجانہؓ ڈھال بن کر آپؐ کے سامنے کھڑے ہو گئے، تیران پر گرتے رہے؛ لیکن وہ اسی طرح آپؐ پر جھکے رہے، یہاں تک کہ ان کی پیٹھ تیروں سے چھلنی ہو گئی۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

سعد بن ابی وقاصؓ اسی جگہ کھڑے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع میں دشمن پر تیر چلاتے رہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایک تیران کو اپنے دست مبارک سے عنایت فرماتے اور ارشاد ہوتا ”ارم فداک ابي وامی“ تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں، اسی طرح تیر چلاتے رہو۔ (سیرت ابن ہشام: ۸۰/۲-۸۲)

حضرت قتادہ بن النعمان رضی اللہ عنہ

قتادہ بن النعمانؓ کی آنکھ پر ایسی ضرب آئی کہ آنکھ نکل کر ان کے رخسار پر آ گئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک ہاتھوں سے اسے اسی جگہ کر دیا، وہ آنکھ ایسی اچھی ہوئی کہ اس کی بصارت پہلی آنکھ سے بھی تیز ہو گئی۔ (سیرت ابن ہشام: ۸۲/۲)

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ

مشرکین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں تھے، لیکن تقدیر الہی کا فیصلہ کچھ اور تھا، جب

انہوں نے آپؐ پر حملہ کیا، تقریباً دس آدمی آپؐ کے سامنے آگئے اور سب ایک ایک کر کے آپؐ پر قربان ہو گئے، پھر حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ نے اپنا ہاتھ سامنے کر دیا اور تیروں کو روکنا شروع کیا یہاں تک کہ ان کی سب انگلیاں زخموں سے لہولہان ہو گئیں اور ہاتھ مفلوج ہو گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہیں ایک چٹان پر چڑھنا چاہتے تھے، لیکن زخموں کی وجہ سے خاصہ ضعف ہو گیا تھا اور چڑھنا دشوار ہو رہا تھا، یہ دیکھ کر حضرت طلحہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نیچے بیٹھ گئے اور ان کا سہارا لے کر آپؐ اس چٹان پر تشریف لے آئے، نماز کا وقت آیا تو آپؐ نے بیٹھ کر نماز پڑھی۔ (سیرت ابن ہشام: ۲/۸۶، زاد المعاد: ۱/۳۵۰)

حضرت انس بن النضر رضی اللہ عنہ

غزوہ احد میں جب لوگ شکست کھا کر منتشر ہونے لگے تھے، انس بن النضرؓ (جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم انس بن مالکؓ کے چچا ہیں) نے اس وقت بھی شکست تسلیم نہ کی اور آگے بڑھتے رہے، سعد بن معاذؓ ان کو راستہ میں ملے اور پوچھا کہ کدھر کا ارادہ ہے؟ کہنے لگے: جنت کی خوشبو احد پہاڑ کی طرف سے صاف محسوس ہو رہی ہے، انس بن النضرؓ مہاجرین و انصار کے کچھ لوگوں کے پاس سے گزرے اور دیکھا کہ وہ ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے ہیں، انہوں نے کہا: تم لوگ یہاں بیٹھے کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے، انس بن النضر نے کہا: پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد زندہ رہنے کا کیا فائدہ؟ اٹھو اور جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جان دی ہے، اسی پر تم جان دے دو، یہ کہہ کر آگے بڑھے، دشمن سے دو دو ہاتھ کیے اور جان دے دی، ان کے بھتیجہ انس بن مالکؓ کہتے ہیں: اس دن ہم نے ان کے جسم پر ستر زخم شمار کیے، زخموں کی کثرت سے ان کو پہچاننا ممکن ہو رہا تھا، صرف ان کی بہن نے ان کی انگلی کے ایک پور سے ان کو پہچانا جس پر بچپن کی نشانی تھی۔ (سیرت ابن ہشام: ۲/۸۲)

حضرت زیاد بن السکن رضی اللہ عنہ

زیاد بن السکنؓ پانچ انصاریوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرتے ہوئے لڑ رہے تھے اور ایک ایک کر کے شہید ہوئے جا رہے تھے یہاں تک کہ یہ زخموں سے چور اور نڈھال ہو کر گر پڑے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کو میرے قریب لے آؤ، لوگوں نے ان کو اٹھا کر آپ کے سامنے لٹا دیا، آپ نے ان کے سر کو اپنے قدم مبارک پر رکھ لیا اور اس حالت میں ان کی جان نکلی کہ ان کے رخسار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر تھے۔ (سیرت ابن ہشام: ۸۱/۲)

حضرت عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ

عمرو بن الجموحؓ کے پاؤں میں شدید لنگ تھا، ان کے چار صاحبزادے تھے، سب جوان تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قربانی و سرفروشی کے ہر موقع پر حاضر بھی رہتے تھے، جب آپؐ غزوہ احد کے لیے روانہ ہوئے تو عمرو بن الجموحؓ نے بھی چلنے کا ارادہ کر لیا، ان کے بیٹوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے رخصت رکھی ہے، اگر تشریف رکھیں تو اچھا ہے، ہم لوگ آپ کی طرف سے کافی ہیں، آپ پر جہاد فرض نہیں ہے۔

عمرو بن الجموح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میرے بیٹے مجھے جہاد میں شرکت سے روک رہے ہیں، اور خدا کی قسم میری آرزو ہے کہ میں بھی شہادت پاؤں اور جنت میں اسی طرح لنگڑاتا ہوا چلوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اللہ نے جہاد سے تمہیں معافی دے دی ہے اور ان کے بیٹوں سے ارشاد فرمایا کہ کیا حرج ہے کہ تم ان کو جہاد میں جانے دو (وہ اپنا ارمان نکال لیں) چنانچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ احد میں شریک ہوئے، اور شہادت کی آرزو و تمنا پوری ہوئی۔

حضرت سعد بن الربیع رضی اللہ عنہ

زید بن ثابتؓ بیان کرتے ہیں کہ غزوہٴ احد کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سعد بن الربیع کی تلاش میں بھیجا اور فرمایا کہ اگر وہ نظر آجائیں تو میرا سلام کہنا اور کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا ہے کہ اس وقت تمہیں کیسا محسوس ہو رہا ہے؟ کہتے ہیں کہ مقتولین کے درمیان میں ان کو تلاش کرتا پھر رہا تھا کہ ایک جگہ وہ مجھے نظر آئے، میں قریب گیا دیکھا تو آخری وقت تھا، ان کے جسم پر نیزہ، تلوار اور تیر کے ستر زخم تھے، میں نے کہا: سعد، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں سلام کہا ہے اور فرمایا ہے کہ مجھے بتاؤ اس وقت تمہاری کیا کیفیت ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سلام عرض کرنا اور کہنا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے اس وقت جنت کی خوشبو محسوس ہو رہی ہے اور میری قوم انصار سے کہنا کہ اگر دشمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گئے اور تمہارے دم میں دم رہا تو اللہ تعالیٰ کے پاس تمہارے لیے کوئی عذر نہ ہوگا، یہ کہتے ہی ان کی روح پرواز کر گئی۔ (زاد المعاد: ۲۰۷/۳)

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ

عبداللہ بن جحشؓ نے غزوہٴ احد کے سلسلہ میں کہا، اے اللہ تجھے تیری قسم کہ میں کل دشمن کا مقابلہ کروں وہ مجھے قتل کر دیں، پھر میرا پیٹ چاک کر دیں اور میرے ناک کان کاٹ ڈالیں پھر تو مجھ سے پوچھے کہ یہ سب کس کے لیے تھا؟ میں جواب دوں: تیرے لیے۔ (زاد المعاد: ۲۰۸/۳)

ہر مصیبت ہیج ہے

مسلمان مدینہ پہنچے تو راستہ میں بنی دینار کی ایک خاتون کے مکان پر ان کا گذر

ہوا جس کے شوہر، بھائی اور باپ تینوں اس جنگ میں کام آگئے تھے، جب مسلمانوں نے ان کو یہ خبر سنائی تو انہوں نے سب سے پہلے یہ کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خیریت بتاؤ؟ ان لوگوں نے جواب دیا کہ اے ام فلاں! الحمد للہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کہ تمہاری آرزو ہے صحیح سلامت ہیں، کہنے لگیں کہ مجھے آپ کو دکھاؤ، میں خود آپ کو دیکھنا چاہتی ہوں، لوگوں نے آپ کی طرف اشارہ کیا، انہوں نے پاس آ کر چہرہ مبارک دیکھا اور کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سلامت ہیں تو ہر مصیبت ہیچ ہے۔ (سیرت ابن ہشام: ۹۹/۲)

حضرت عمیر بن الحمام انصاری رضی اللہ عنہ

بدر کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: چلو بڑھو اس جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے، عمیر بن الحمام انصاریؓ نے یہ جملہ سنا تو کہنے لگے یا رسول اللہ وہ جنت آسمانوں اور زمین کے برابر ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! کہنے لگے واہ واہ! آپ نے فرمایا، یہ بات کیا کہہ رہے ہو؟ انہوں نے کہا: نہیں یا رسول اللہ کوئی بات نہیں، یہ میں اس خیال سے کہہ رہا ہوں کہ شاید میری قسمت میں بھی یہ جنت ہو؟ آپ نے فرمایا، ہاں ہاں تمہیں یہ جنت نصیب ہوگی، اس کے بعد انہوں نے اپنے ترکش سے کچھ کھجوریں نکالیں اور کھانے لگے، پھر اچانک کہنے لگے کہ اگر میں نے ان کھجوروں کے ختم ہونے کا انتظار کیا تو بہت دیر لگا دوں گا، اتنا جینے کی تاب نہیں، یہ کہہ کر جو کھجوریں رہ گئی تھیں پھینک دیں اور میدان جنگ میں کود پڑے اور شہادت پائی۔

(صحیح مسلم، سیرت ابن کثیر: ۲/۴۲۱، زاد المعاد: ۱/۳۴۵)

حضرت زید بن الدثنہ رضی اللہ عنہ

زید بن الدثنہ رضی اللہ عنہ کو حرم سے باہر قتل کے لیے لے جایا گیا تو اس وقت قریش کے بہت سے لوگ جمع تھے، جن میں ابوسفیان بھی تھے، انہوں نے حضرت زید سے

کہا: زید میں تم سے قسم دلا کر پوچھتا ہوں کیا تم یہ پسند کرو گے کہ تم آرام سے اپنے گھر والوں میں ہو اور تمہاری جگہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں؟ انہوں نے جواب دیا کہ مجھے تو یہ بھی گوارا نہیں کہ میں اپنے گھر میں آرام سے ہوں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک کانٹا بھی چبھے! ابوسفیان نے اس پر کہا کہ میں نے کسی کو کسی سے اتنی محبت کرتے نہیں دیکھا جتنی محبت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھی کرتے ہیں (اس کے بعد ان کو شہید کر دیا گیا)۔ (سیرت ابن ہشام: ۱۷۴/۲)

حضرت مالک خدری رضی اللہ عنہ

حضرت مالک خدریؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زخم کو منہ سے صاف کیا اور خون و پیپ منہ کے اندر کر لیا، آپ نے کہا: اس کو تھوک دو، انہوں نے کہا یا رسول، نہیں، میں اسے ہرگز نہیں تھوکوں گا۔ (زاد المعاد: ۱۳۶/۲)

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا

فتح مکہ سے پہلے مصالحت کی کوشش کے سلسلہ میں ابوسفیان بن حرب بن ربیعہ مدینہ پہنچے اور اپنی صاحبزادی حضرت ام حبیبہ کے پاس آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر بیٹھنے لگے، اس پر ان کی صاحبزادی نے فوراً بستر کو پلٹ دیا، اس پر وہ تعجب سے بولے کہ بیٹی! یہ نہیں سمجھ پایا کہ تم نے اس بستر کو میرے لیے مناسب نہیں سمجھا، یا یہ کہ تم نے مجھ کو اس بستر کے لائق نہیں سمجھا، انہوں نے جواب دیا کہ یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر ہے اور آپ شرک کرنے والے ہیں، لہذا شرک میں گندگی ہے، انہوں نے کہا کہ بخدا!! تم میں مجھ سے رخصت ہونے کے بعد خرابی آگئی۔ (سیرت ابن ہشام: ۳۹۶/۲)

حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ

ایک دن ابو بکر رضی اللہ عنہ ایک مجمع میں دعوت کی نیت سے کھڑے ہوئے اور اللہ

اور اس کے رسول کی دعوت دینی شروع کی، تو مشرکین غیظ و غضب کے عالم میں ان پر ٹوٹ پڑے اور ان کو بہت زیادہ زد و کوب کیا، عتبہ بن ربیعہ دو پھٹے پرانے جوتوں سے ان کے چہرہ کو اس طرح مارتا رہا کہ بعد میں ان کے چہرے کے خد و خال پہچانے نہ جاتے تھے۔

حضرت ابو بکرؓ کے خاندان کے لوگ بنو تیم حضرت ابو بکر کو اس حالت میں اٹھا کر لے گئے کہ ان کو ان کی موت میں کوئی شبہ نہ تھا، دن ڈھلے آپ کو ہوش آیا اور پہلا لفظ جو آپ کی زبان سے نکلا وہ یہ تھا کہ بتاؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیریت سے ہیں؟ ان لوگوں نے اس پر ان کو برا بھلا کہا (کہ اس حال میں بھی ان کو اپنے سے زیادہ ان کی فکر ہے جن کی وجہ سے یہ ساری پریشانی اٹھانی پڑی) اسی وقت ام جمیل جو اسلام لا چکی تھیں ان سے قریب ہوئیں تو انہوں نے ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں دریافت کیا، انہوں نے کہا آپ کی والدہ قریب کھڑی ہیں سن لیں گی، انہوں نے کہا میری اللہ سے نذر ہے کہ میں اس وقت تک نہ کچھ کھاؤں گا، نہ پیوں گا، جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں حاضر نہ ہو جاؤں، یہ سن کر وہ دونوں وہاں رک گئیں، جب لوگوں کی آمد و رفت بند ہوئی اور سناٹا ہوا، تو وہ دونوں حضرت ابو بکرؓ کو سہارا دیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائیں، ان کی یہ حالت دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اثر پڑا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی والدہ کے لیے بہت دعاء کی اور ان کو اسلام لانے پر آمادہ کیا اور وہ اسی وقت مسلمان ہو گئیں۔ (سیرت ابن ہشام: ۱/۲۹۳-۲۹۴، سیرت ابن کثیر: ۱/۴۳۹-۴۴۱)

روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غار کی طرف روانہ ہوئے تو حضرت ابو بکرؓ چلنے میں کبھی آپ کے آگے رہتے کبھی پیچھے چلنے لگتے، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو محسوس فرمایا اور کہا کہ ابو بکر کیا بات ہے، کبھی تم میرے پیچھے چلتے ہو اور کبھی آگے؟ انہوں نے کہا کہ یا رسول مجھے تعاقب کا خیال آتا ہے تو میں پیچھے چلنے لگتا ہوں، پھر گھات کا خطرہ ہوتا ہے تو آگے آجاتا ہوں۔ (البدایہ والنہایہ لابن کثیر: ۳/۱۸۰، منقول از

بیہقی بروایت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ)

جب دونوں حضرات غار پہنچ گئے تو حضرت ابو بکرؓ نے کہا کہ یا رسول اللہ آپ ذرا توقف فرمائیں، میں غار کو دیکھ بھال لوں اور صاف کر لوں، اس کے بعد وہ غار کے اندر گئے اور اس کو صاف کر کے اور سوراخ وغیرہ بند کر کے باہر آئے، اس وقت ان کو یاد آیا کہ ایک بل باقی رہ گیا ہے جس کو وہ ٹھیک سے نہیں دیکھ سکے، پھر انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ آپ ذرا اور توقف فرمائیں، میں اس کو دیکھ لوں، پھر اس کے اندر گئے اور جب اس کی طرف سے اطمینان ہو گیا تو کہا یا رسول اللہ اب آپ اندر تر آئیں، چنانچہ آپ اندر تشریف لے آئے۔ (البدایہ والنہایہ: ۱۸۰/۳)

مکمل اطاعت و فرمانبرداری

ہر حال میں اور ہر امر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری اور اطاعت شعاری و جانثاری میں صحابہ کرام اس مقام کو پہنچ گئے تھے جس کی نظیر نہ اس سے پہلے ملی اور نہ بعد میں، چنانچہ کیسے بھی حالات ہوتے صحابہ اپنے رسول کی اطاعت و انقیاد میں ادنیٰ بھی تاخیر اور کسی بھی طرح کا کوئی ٹال مٹول نہ کرتے۔

معرکہ بدر سے پہلے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ قریش کا زبردست لشکر روانہ ہو چکا ہے تو آپؐ نے اپنے اصحاب کرامؓ سے مشورہ فرمایا، لیکن اس وقت آپؐ کا روئے سخن انصار کی طرف تھا، اس لیے کہ انہوں نے اسی بات پر بیعت کی تھی کہ وہ مدینہ میں آپؐ کی پوری حفاظت اور مدد کریں گے، جب آپؐ نے مدینہ سے روانگی کا قصد فرمایا تو آپؐ نے یہ معلوم کرنا چاہا کہ اس وقت انصار کیا سوچ رہے ہیں، سب سے پہلے مہاجرین نے اپنی بات کہی اور بہت اچھی طرح آپؐ کو اپنی حمایت کا یقین دلایا، آپؐ نے دوبارہ مشورہ کیا، مہاجرین نے پھر آپؐ کی تائید کی، پھر جب آپؐ نے تیسری بار دریافت کیا

تو انصار کو احساس ہوا کہ آپؐ کا روئے سخن انصار کی طرف ہے، چنانچہ سعد بن معاذ نے فوراً اس کا جواب دیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ شاید آپؐ کا روئے سخن ہم لوگوں کی طرف ہے اور آپؐ ہماری بات سننا چاہتے ہیں، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شاید آپؐ کو یہ خیال ہو رہا ہے کہ انصار نے صرف اپنے وطن اور اپنی سرزمین میں آپؐ کی نصرت کا ذمہ لیا ہے، میں انصار کی طرف سے عرض کرتا ہوں اور ان کی جانب سے یہ بات کہہ رہا ہوں کہ آپؐ جہاں چاہیں روانہ ہوں، جس سے چاہیں تعلق فرمائیں اور جس سے چاہے ختم کریں، ہمارے مال و دولت میں سے جتنا چاہیں لے لیں اور ہم کو جتنا پسند ہو عطا فرمائیں، اس لیے کہ جو کچھ آپؐ لے لیں گے وہ ہمیں اس سے کہیں زیادہ پسند ہوگا جو آپؐ چھوڑیں گے، آپؐ کوئی حکم دیں گے تو ہماری رائے آپؐ کے تابع فرمان ہوگی، خدا کی قسم اگر آپؐ چلنا شروع کریں یہاں تک ”برک غمدان“ تک پہنچ جائیں تب بھی ہم آپؐ کے ساتھ چلتے رہیں گے اور خدا کی قسم آپؐ سمندر میں داخل ہو جائیں گے تو ہم بھی آپؐ کے ساتھ اس میں کود جائیں گے۔

حضرت مقدادؓ نے کہا: ہم آپؐ سے ایسا نہ کہیں گے جیسا موسیٰ کی قوم نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا ”فاذهب أنت وربک فقاتلانا ہنا قاعدون“ (جاؤ تم اور تمہارا رب دونوں مل کر جنگ کرو، ہم تو یہاں بیٹھے رہیں گے) ہم تو آپؐ کے دائیں سے، بائیں سے، سامنے سے، پیچھے سے دشمنوں کا سامنا کریں گے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ گفتگو سنی تو روئے انور خوشی سے دکنے لگا اور آپؐ کو اپنے صحابہ کی زبان سے یہ الفاظ سن کر بڑی مسرت ہوئی، آپؐ نے فرمایا: ”سیروا و اَبشروا“ چلو اور بشارت حاصل کرو۔

(زاد المعاد: ۳/۱۷۳، سیرت ابن ہشام: ۱/۶۱۴، بخاری، مسلم فی باب غزوة بدر)

اطاعت اور تعمیل حکم کی ایک مثال وہ واقعہ ہے جو شراب کی حرمت کے حکم کے وقت پیش آیا، حضرت ابو بربیدہؓ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ ہم مجلس میں بیٹھے شراب پی رہے تھے کہ میں اٹھاتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری دوں اور سلام

کروں، ادھر شراب کی حرمت نازل ہو چکی تھی

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ
مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۹۱﴾ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ
أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ
عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ، فَهَلْ أَنتُمْ مُنْتَهُونَ ﴿۹۲﴾ (سورہ مائدہ: ۹۰-۹۱)
اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جو اور بت وغیرہ اور قرعہ کے تیریہ
سب گندی باتیں ہیں، شیطانی کام ہیں، سوان سے بالکل الگ رہو تا کہ تم کو
فلاح ہو، شیطان تو یوں چاہتا ہے کہ شراب اور جوے کے ذریعہ تمہارے آپس
میں عداوت اور بغض واقع کر دے اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے اور نماز سے تم کو باز
رکھے، سو کیا اب تم رک جاؤ گے؟

میں اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اور میں نے یہ آیت ”هَلْ أَنتُمْ مُنْتَهُونَ“
(کیا تم رک جاؤ گے) تک پڑھ کر سنائی، کہتے ہیں کہ بعض لوگوں کے ہاتھ میں ساغر تھا،
کچھ پیاتھا اور کچھ ساغر میں بچ رہا تھا، جو شراب ہونٹوں میں پہنچ گئی تھی وہ فوراً تھوک دی
گئی۔ (تفسیر ابن جریر طبری، جلد ۷)

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا واقعہ

صحابہ کرامؓ کی اطاعت و تابعداری کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ جب رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم نے ان تین شخصوں سے گفتگو ممنوع قرار دی تھی جو غزوہ تبوک نہ جاسکے تھے، تو
لوگوں نے آپؐ کی بات مانی اور مدینہ منورہ ان تینوں کے لیے شہر خموشاں بن گیا جہاں کوئی
بات کرنے والا اور بات کا جواب دینے والا نہ تھا، حالانکہ وہ سب بھائی بھائی تھے، ایک
دوسرے سے محبت کرتے تھے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں ان تینوں حضرات
کا مکمل بائیکاٹ کیا گیا، بات کرنا تو درکنار، کسی نے بھی ان کی طرف التفات تک نہ کیا اور

پورا مدینہ ان کے لیے اجنبی بن گیا، کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:-

”اب رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا کہ ہم تینوں سے کوئی بات نہ کرے تو لوگ کنارہ کش ہو گئے اور ایسا رخ بدلا گویا کبھی جان پہچان تھی ہی نہیں، یہاں تک کہ میرا دل تنگ ہو گیا اور زمین وہ زمین ہی معلوم نہیں ہوتی تھی جس کو میں پہچانتا تھا، اس حالت میں ہم پر پچاس راتیں گزر گئیں، میرے دونوں ساتھی تو اپنے گھروں میں تھک کر بیٹھ گئے اور روتے رہے، لیکن میں جوان آدمی تھا، نکلتا تھا، نماز میں شریک ہوتا تھا، بازاروں میں پھرتا تھا، لیکن ہم سے کوئی بات نہ کرتا تھا، میں مسجد میں آتا تھا، نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ جب اپنی مجلس میں تشریف رکھتے میں سلام کرتا اور ان کو دیکھ کر دل میں کہتا کیا آپ ﷺ کے ہونٹوں کو جواب دینے میں حرکت ہوئی؟ پھر میں آپ ﷺ کے قریب نماز پڑھتا اور چھپی نظر سے آپ ﷺ کو دیکھتا، جب نماز کی طرف متوجہ ہوتا تو آپ ﷺ مجھ کو دیکھتے اور جب میں آپ ﷺ کی طرف متوجہ ہوتا تو آپ ﷺ مجھ سے بے رخی کرتے۔

مسلمانوں کی بے رخی کو مدت ہو گئی تھی، ایک دن میں ابو قتادہؓ کی طرف گیا وہ میرے چچا زاد بھائی ہوتے تھے اور مجھے بہت محبوب تھے، میں ان کے باغ کی دیوار پھاند کر اندر پہنچا اور ان کو سلام کیا، واللہ انہوں نے میرے سلام کا جواب تک نہ دیا، میں نے کہا: اے ابو قتادہؓ! میں تم سے اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم نہیں جانتے ہو کہ مجھے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت ہے، وہ خاموش رہے، میں نے دوبارہ قسم دی، مگر وہ خاموش رہے، پھر میں نے ان کو قسم دی، انہوں نے کہا اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں، اس وقت میری دونوں آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور میں چلا آیا۔“ (بخاری و مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی محبت و تعلق کا یہ حال تھا کہ ہر ایک پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ترجیح دیتے تھے، عین اس مقاطعہ کے زمانہ میں غسان کا بادشاہ ہمدردی کا اظہار کرتا ہے اور اپنے دربار کی پیش کش کرتا ہے، اس بے رخی اور عتاب کے زمانہ میں یہ حقیقتاً سخت آزمائش تھی، لیکن وہ رد کر دیتے ہیں، وہ کہتے ہیں:-

”میں مدینہ کے بازار میں پھر رہا تھا کہ ایک نبطی شام کے نبطیوں میں سے تجارت کا غلہ لے کر آیا، کہتا تھا کہ کوئی شخص مجھے کعب بن مالک کا پتہ دے سکتا ہے؟ لوگ میری طرف اشارہ کرنے لگے، وہ میرے پاس آیا اور غسان کے بادشاہ کا ایک خط دیا، میں نے اس کو پڑھا، اس میں لکھا تھا ”مجھے خبر ملی ہے کہ تمہارے آقا تم سے ناراض ہیں، تم ذلت و ناقدری کی جگہ رہنے پر مجبور نہیں ہو، تم ہمارے پاس آؤ، ہم تمہاری غمخواری کریں گے۔“ جب میں اس کو پڑھ چکا تو میرے رنج کی کوئی حد نہ رہی، میں نے کہا یہ اور بڑی مصیبت ہے اور میں نے اس خط کو تور میں جھونک دیا۔“ (متفق علیہ)

حضرت عبداللہ بن ابی رضی اللہ عنہ کا واقعہ

ابن جریر طبری ابن زید سے روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن ابی کے بیٹے عبداللہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا اور فرمایا: دیکھتے ہو تمہارے والد کیا کہتے ہیں؟ وہ بولے یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان، وہ کیا کہتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہتے ہیں کہ اگر مدینہ واپسی ہوئی تو جو معزز ہوگا وہ ذلیل کو نکال دے گا، وہ بولے: خدا کی قسم یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! انہوں نے سچ کہا، بخدا آپ معزز ہیں اور وہ ذلیل ہیں، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ مدینہ تشریف لائے اور اہل یترب کو علم ہے کہ وہاں مجھ سے بڑھ کر اپنے باپ کا کوئی فرمانبردار نہیں، اگر اللہ و رسول کی مرضی یہ ہے کہ میں اس کا سر

لے آؤں تو میں حاضر ہوں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نہیں۔

جب لوگ مدینہ پہنچے تو عبد اللہ بن عبد اللہ بن اُبی مدینہ کے دروازے پر تلوار لے کر اپنے باپ کے انتظار میں کھڑے ہو گئے، جب ان کے والد آئے، تو بولے:

”تم ہی کہتے تھے کہ اگر مدینہ واپسی ہوئی تو جو معزز ہوگا وہ ذلیل کو نکال دے گا؟ تم کو ابھی معلوم ہو جائے گا کہ معزز کون ہے؟، خدا کی قسم! تم مدینہ میں اللہ اور اس کے رسول کی اجازت کے بغیر نہیں رہ سکتے۔“

عبد اللہ بن اُبی نے کہا: ”اے خزرج کے لوگو! دیکھو میرا لڑکا مجھے میرے گھر سے روکتا ہے، اے خزرج کے لوگو! میرا لڑکا مجھے میرے گھر سے روکتا ہے۔“ وہ بولے: ”خدا کی قسم، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر مدینہ میں قدم نہیں رکھ سکتا۔“

لوگ اکٹھا ہو گئے اور ان کو سمجھایا، انہوں نے کہا: یہ اللہ اور اس کے رسول کی اجازت کے بغیر قدم نہیں رکھ سکتا، لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، آپ کو خبر دی، آپ نے فرمایا: جاؤ اور عبد اللہ سے کہہ دو کہ آنے دو۔ لوگ واپس آئے، انہوں نے کہا: ہاں! جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت آگئی ہے، وہ مدینہ میں داخل ہو سکتا ہے۔“ (تفسیر طبری: ۸)

عروہ بن مسعود ثقفی کا بیان

عروہ بن مسعود ثقفی نے حدیبیہ سے واپسی کے بعد اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اے قوم! میں بادشاہوں کے دربار میں گیا ہوں، میں نے قیصر و کسریٰ اور نجاشی کی شان و شوکت بھی دیکھی ہے، لیکن خدا کی قسم میں نے ایسا بادشاہ نہیں دیکھا جس کے ساتھی اس کی اتنی عزت اور تعظیم کرتے ہوں جتنی محمد ﷺ کے ساتھی

محمد ﷺ کی کرتے ہیں، جب بھی وہ تھوکتے ہیں تو کوئی نہ کوئی اس کو ہاتھ پر لے لیتا ہے اور اپنے چہرے اور جسم پر مل لیتا ہے اور جب وہ ان کو کوئی حکم فرماتے ہیں تو وہ سب ان کے حکم پر لپکتے ہیں اور جب وہ وضو فرماتے ہیں تو وضو کے پانی پر لڑتے لڑتے رہ جاتے ہیں اور جب بات کرتے ہیں تو سب ہمہ تن گوش ہو جاتے ہیں اور اپنی آوازیں پست کر لیتے ہیں، وہ لوگ فرط تعظیم و ادب سے آپ سے نظریں ملانے کی ہمت نہیں کر سکتے۔ (زاد المعاد: ۳/۲۹۳)

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا واقعہ

مکہ سے ہجرت کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ پہنچے تو حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے یہاں قیام فرمایا، ابو ایوب انصاریؓ نے آپ ﷺ کی ضیافت، میزبانی، خاطر مدارات اور ادب و تعظیم میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی، بالائی منزل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بلند ہو کر رہنا ان کو گوارا نہ ہوا، وہ نیچے آگئے اور حضور ﷺ سے درخواست کی کہ آپ ﷺ اوپر تشریف رکھیں، وہ اور ان کے گھر والے نیچے رہیں گے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ابو ایوب ہم کو اور ہمارے ملنے والوں کو اسی میں زیادہ راحت ہوگی کہ ہم نیچے رہیں۔

ابو ایوب انصاریؓ کچھ خوش حال لوگوں میں نہ تھے، لیکن آج اپنے گھر میں آپ ﷺ کے قیام سے ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی اور اس سرفرازی اور عزت جو اللہ نے ان کو عطا کی تھی، کے شکر ادا کرنے سے ان کی زبان قاصر تھی، محبت، خدمت و راحت رسائی کے آداب خود سکھا دیتی ہے، ابو ایوب انصاریؓ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے لیے رات کا کھانا تیار کر کے بھجتے، اگر آپ کا پس خوردہ واپس آتا تو میں اور ام ایوب اس طرف سے جہاں سے آپ نے کھایا ہوتا، بچا ہوا کھاتے اور برکت حاصل کرتے، حضور ﷺ نیچے کی

منزل میں تشریف رکھتے تھے اور ہم لوگ اوپر تھے، ایک مرتبہ مٹکا جس میں ہم پانی رکھتے تھے، ٹوٹ گیا، میں نے اور ام ایوب نے اپنی چادر سے جس کے علاوہ ہمارے پاس اوڑھنے کے لیے کی کوئی چیز نہ تھی، اس پانی کو خشک کیا کہ کہیں خدا نخواستہ نیچے نہ ٹپکنے لگے اور آپ کو تکلیف ہو۔ (سیرت ابن اسحاق بروایت ابو ایوب انصاریؓ، ابن کثیر: ۲/۲۷۷)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ صحابہ میں نمایاں مقام رکھتے ہیں، چنانچہ عراق اور پورا ملک فارس (ایران) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے زیر قیادت فتح ہوا اور ایسی تاریخ رقم ہوئی جس کا تصور بھی محال تھا، جنگی مہارت اور جنگی فنون سے واقفیت اور اقدامی صلاحیت کے باوجود افتراق اور تفرقہ کو بہت ناپسند کرتے اور مسلمانوں میں تلوار اٹھانے اور تیر نکالنے پر کسی قیمت میں تیار نہ ہوئے، اسی وجہ سے جب حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے دور میں خانہ جنگی کی صورت حال پیدا ہوئی تو بیعت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر کر لی تھی، اور جنگ میں غیر جانبدار رہے، اور آب زر سے لکھی جانے والی بات کہی جو تاریخ میں محفوظ ہو گئی ہے کہ مجھے ایسی تلوار لا کر دے دو کہ اس سے میں کافر پر وار کروں تو اس کو وہ قتل کر دے، اور اگر وہ (وار) مومن پر ہو تو کوئی اثر نہ کرے، (معارف الحدیث ۸/۳۳۶)۔

صحابہ کرام کا ایمان و یقین اور آزمائش

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی یہ سوال نہیں کیا کہ آپ معجزات بھی دکھائیں اور جب جب معجزہ ظاہر ہوا ایک لمحہ کے لیے بھی انہیں شک و شبہ اور تردد نہ رہا، جیسا کہ اسراء اور معراج کا واقعہ ہے۔ کفار بڑے خوش ہو رہے تھے کہ اب صحابہ کیا کہیں گے،

لیکن ان کے اس جواب نے قریش کو انگشت بندھا کر دیا کہ جب ہم اس پر یقین کر چکے کہ جبرئیل علیہ السلام چند لحات میں وحی لے کر آسمان سے زمین پر اتر آتے ہیں اور پھر اوپر چلے جاتے ہیں، تو ہم کیوں اپنے نبی کے اس اعزاز پر یقین نہ کریں جو اللہ نے ان کو ایک ہی رات میں عطا کیا۔

صحابہ کرامؓ کو سخت ترین آزمائش اور ابتلاء سے مختلف موقعوں پر گزرنا پڑا، خود قرآن کریم نے اجتماعی طور پر ان کے امتحان سے گزرنے اور فائز المرام ہونے کا تذکرہ کیا ہے، جیسا کہ سورہ احزاب میں اللہ تعالیٰ نے تذکرہ فرمایا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ
فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ
بَصِيرًا ۝ إِذْ جَاءُوكُم مِّن فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ
الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونًا ۝ هُنَالِكَ
ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا ۝ (سورہ احزاب: ۹-۱۱)

مومنو! خدا کی اس مہربانی کو یاد کرو جو (اس نے) تم پر (اس وقت کی) جب فوجیں تم پر (حملہ کرنے کو) آئیں تو ہم نے ان پر ہوا بھیجی اور ایسے لشکر (نازل کیے) جن کو تم دیکھ نہیں سکتے تھے اور جو کام تم کرتے ہو خدا ان کو دیکھ رہا ہے، جب وہ تمہارے اوپر اور نیچے کی طرف سے تم پر چڑھ آئے اور جب آنکھیں پھر گئیں اور دل (مارے دہشت کے) گلوں تک پہنچ گئے اور تم خدا کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے لگے، وہاں مومن آزمائے گئے اور سخت طور پر ہلائے گئے۔

لیکن ان کی استقامت، ثبات قدمی اور غیر متزلزل ایمان و یقین پر اللہ نے جو مدد پہنچائی اس کا بھی اللہ نے ذکر کیا ہے اور اس پر صحابہ کو جو مسرت ہوئی اسے بھی اللہ نے

بیان فرمایا، ارشاد ربانی ہے۔

وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ ۖ قَالُوا هَذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ
وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ ۚ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا ﴿۲۲﴾ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ
رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ ۖ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ
مَّنْ يَنْتَظِرُ ۚ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا ﴿۲۳﴾ لِيَجْزِيَ اللَّهُ الصَّادِقِينَ بِصِدْقِهِمْ
وَيُعَذِّبَ الْمُنَافِقِينَ إِنِ شَاءَ ۖ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا
رَّحِيمًا ﴿۲۴﴾ (سورہ احزاب: ۲۲-۲۴)

اور جب ایمان والوں نے لشکر دیکھے تو بولے اسی کا تو ہم سے اللہ نے اور اس
کے رسول وعدہ کیا تھا اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا اور ان کا ایمان اور
جذبہ طاعت اور بڑھ گیا، ان ہی ایمان والوں میں وہ لوگ بھی ہیں کہ انہوں
نے اللہ سے جو عہد کیا وہ پورا کر دکھایا تو بعضوں نے اپنا ذمہ پورا کر دیا اور بعض
انتظار میں ہیں اور وہ ذرا بھی نہیں بدلے، تاکہ اللہ تعالیٰ سچوں کو ان کی سچائی کا
بدلہ دیدے اور منافقوں کو چاہے تو عذاب دے یا چاہے تو ان کو توبہ کی توفیق
عطا فرمائے۔

صلح حدیبیہ اور صحابہ کرام کی اطاعت و تابعداری

حدیبیہ کا معاملہ بھی غیر معمولی نوعیت کا ہے، صحابہ جو دین، اللہ اور اس کے رسول
صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں ڈوبے ہوئے تھے وہ اپنے مزاج و طبیعت کے بالکل برخلاف
صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و قیادت میں صلح کے لیے تیار ہوئے۔

ابھی صلح کی بات ہو ہی رہی تھی کہ اچانک خود (قریش کے نمائندہ) سہیل ہی کے
بیٹے ابو جندل بن سہیل بیڑیوں میں گرتے پڑتے پہنچے، وہ مکہ کے نشیب سے آئے تھے اور
کسی نہ کسی طرح اپنے آپ کو مسلمانوں تک پہنچا دیا تھا، سہیل نے اپنے بیٹے کے اس طرح

پہنچ جانے کو دیکھا تو کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) معاہدہ کے تحت یہ پہلا شخص ہے جس کی واپسی کا مطالبہ میں آپ ﷺ سے کرتا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ابھی تو ہم نے معاہدہ کی تحریر مکمل بھی نہیں کی، اس نے جواب دیا: اگر ایسا ہے تو پھر میں کسی بات پر آپ ﷺ سے معاملہ کرنے پر تیار نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: میرے کہنے پر (یعنی میری ذاتی فرمائش پر ہی) انھیں اجازت دے دو، اس نے کہا میں آپ ﷺ کے کہنے پر بھی اجازت نہیں دے سکتا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اچھا جو تمہارا جی چاہے کرو، اس نے کہا: مجھے کچھ نہیں کرنا ہے، یہ سن کر ابو جندل بولے: مسلمانو! میں مسلمان ہو کر آیا ہوں اور پھر مشرکوں کو واپس کیا جا رہا ہوں، کیا تم لوگ دیکھتے نہیں میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟

(زاد المعاد: ۳/ ۲۹۴)

صورت حال کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریشی نمائندہ کے مطالبہ کی بنا پر ان کو واپس فرما دیا اور ابو جندلؓ نے بھی اپنے محبوب نبی ﷺ کی بات مان لی۔ یہ اطاعت و انقیاد اسلام کے فروغ کے لیے بڑی مؤثر ثابت ہوئی اور اس کثرت سے لوگ ایمان لائے اور مشرف بہ اسلام ہوئے جو اب تک کے ۱۸-۱۹ سال کے عرصہ میں نہیں لاسکتے تھے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلح نامہ سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ منیٰ میں قربانی کرنے کے لیے لائے ہوئے جانوروں کو اب یہیں ذبح کر دو، مسلمانوں کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیسے ہو رہا ہے اور کیا ہو رہا ہے، اس لیے وہ نہیں سمجھ پائے کہ حضور ﷺ کے اس فرمان کا مطلب کچھ اور تو نہیں ہے، اس لیے کہ قربانی کے جانور مکہ پہنچنے سے پہلے ذبح کرنے کا کوئی دستور نہیں رہا ہے، اسی لیے وہ قربانی کرنے کیلئے آگے نہیں بڑھے، حضور ﷺ کو یہ محسوس کر کے کہ شاید مسلمان بات نہیں مان رہے ہیں، بڑی فکر اور ملال ہوا کہ کیا مسلمان اپنے نبی کا حکم ماننے سے گریز کر رہے ہیں، آپ

ﷺ اسی احساس ملال کیساتھ اپنے خیمہ میں داخل ہوئے، آپ ﷺ کے ساتھ آپ کی زوجہ محترمہ حضرت ام سلمہ آئی تھیں، آپ نے ان سے اپنے اس احساس کا تذکرہ کیا، انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ نافرمانی نہیں ہے، یہ ذہن کے شدید تاثر کی وجہ سے بات نہ سمجھ پانے کی وجہ سے ہوگا، لہذا آپ ﷺ خود قربانی شروع کریں، تو لوگوں کا ذہن کھل جائے گا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ قربانی کے جانوروں کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کو جا کر ذبح کرنا شروع کر دیا اور اس کے بعد حلق کرایا، جب انہوں نے آپ ﷺ کو قربانی کرتے اور حلق کراتے دیکھا تو سب اسی وقت تیزی سے کھڑے ہو گئے اور آپ ﷺ کی اتباع کرتے ہوئے قربانی اور حلق میں مشغول ہو گئے کہ نبی کے عمل کے خلاف عمل نہیں کرنا ہے۔

(زاد المعاد: ۳/۲۹۵)

فضالہ بن عمیرؓ اور عمرو بن العاصؓ کا واقعہ

فضالہ بن عمیر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ میں طواف فرما رہے تھے، میں برے ارادے سے آیا، جب قریب ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: فضالہ! کہو کیا سوچ رہے ہو؟، میں نے کہا: کچھ نہیں، اللہ کا ذکر کر رہا تھا، آپ ﷺ ہنسے اور کہا فضالہ! اللہ سے مغفرت چاہو، پھر آپ ﷺ نے دست مبارک میرے سینے پر رکھ دیا، میرا دل ٹھہر گیا، خدا کی قسم ابھی آپ ﷺ نے ہاتھ نہیں ہٹایا تھا، کہ اللہ کی مخلوق میں آپ ﷺ سے زیادہ کوئی چیز میری نظر میں محبوب نہیں رہی، میں واپس گیا، تو وہ عورت ملی جس سے میں باتیں کیا کرتا تھا اس نے کہا: آؤ فضالہ، باتیں کریں، میں نے کہا: اسلام کے بعد یہ نہیں ہو سکتا۔ (زاد المعاد)

حضرت عمرو بن العاص کہتے ہیں کہ بیعت سے پہلے میری یہ حالت تھی کہ میری نظر میں آپ ﷺ سے زیادہ مغفوس ہستی دنیا میں کوئی نہیں تھی، اگر خدا نخواستہ اس وقت مجھے موقع مل جاتا، تو اپنی عاقبت ضرور خراب کر لیتا، لیکن بیعت کے بعد میری نظر میں آپ ﷺ سے زیادہ محبوب

و محترم ذات دنیا کے پردے میں کوئی نہ تھی، یہاں تک کہ میں نظر بھر کر آپ ﷺ کو دیکھ نہیں سکتا تھا، اگر مجھ سے کوئی آپ ﷺ کا حلیہ پوچھتا تو واللہ میں آپ ﷺ کا حلیہ مبارک نہیں بتلا سکتا تھا، اس لیے کہ آپ ﷺ کو نظر بھر کر دیکھنے کی مجھ میں ہمت نہیں ہوتی تھی (صحیح مسلم، کتاب الایمان)

حضرات انصار سے موثر خطاب

غزوہ حنین کے مال غنیمت میں قریش کے نو مسلم صحابہ کو زیادہ حصہ دیے جانے پر بعض انصاریوں کو بے چینی ہوئی، دراصل یہ بے چینی اس لیے ہوئی کہ کہیں ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق کم تو نہیں ہو رہا ہے اور اس کے نتیجہ میں کچھ باتیں بھی آپس میں انصار کے درمیان ہوئیں، آپ ﷺ کو جب اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے حضرات انصار کو جمع کرایا اور ان کے آپ ﷺ پر شبہ کرنے پر کوئی ناگواری ظاہر نہیں فرمائی، بلکہ بڑی دلداری اور محبت کے اسلوب میں اپنی بات کی وضاحت فرمائی۔ آپ ﷺ نے اپنی بلیغ اور موثر وضاحت میں کہا کہ

کیا ایسا نہیں ہے کہ میں آپ لوگوں کے پاس آیا اور حالت یہ تھی کہ آپ سب لوگ راستہ سے بھٹکے ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ آپ کو راستہ دکھلایا اور آپ لوگ مالی تقویت کے معاملہ میں دوسروں کے دست نگر تھے، اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ آپ لوگوں کی یہ محتاجی ختم کی اور آپ ایک دوسرے کے دشمن بنے ہوئے تھے، اللہ نے آپ کے دلوں میں آپس کی الفت پیدا کی، یہ سن کر حضرات انصار نے کہا کہ واقعی اللہ اور اس کے رسول کا بڑا احسان ہے اور وہ برتر ہیں، پھر آپ نے فرمایا کہ اے انصار بھائیو! کیا تم مجھ سے اس کے جواب میں کچھ نہیں کہتے، انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول ہم آپ ﷺ کو کیا جواب دے سکتے ہیں، احسان و کرم سب اللہ اور رسول ہی کا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: بخدا تم اگر چاہو تو تم یہ کہہ سکتے ہو اور تم یہ کہو گے تو سچ کہو گے اور میں

تمہاری تصدیق بھی کروں گا کہ آپ ہمارے پاس اس حالت میں آئے تھے کہ آپ کو جھٹلایا جا چکا تھا، اس وقت ہم نے آپ کی تصدیق کی، لوگوں نے آپ کو چھوڑ دیا تھا اس وقت ہم نے آپ کی مدد کی اور آپ اپنی جگہ سے نکالے ہوئے تھے ہم نے آپ کو جگہ دی اور آپ دوسروں کے سہارے کے محتاج تھے، ہم نے آپ کے ساتھ ہمدردی کی، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اے انصار بھائیو! کیا تمہارے دلوں میں میرے متعلق شکایت پیدا ہوئی اور یہ شکایت دنیا کی کچھ تھوڑی سی مزیدار چیز کے سلسلہ میں ہوئی کہ جس کو دے کر میں نے کچھ لوگوں کو مانوس کرنے کی کوشش کی ہے کہ وہ اسلام لے آئیں اور میں نے تم کو تمہارے اسلام کے سہارے کے سپرد کر دیا، اے انصار بھائیو! کیا تم اس پر راضی اور خوش نہیں کہ دیگر لوگ یہاں سے بکریاں اور اونٹ لے لے کر لوٹیں اور تم اللہ کے رسول کو لے کر اپنے گھروں کی طرف لوٹو۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے تم جو لے کر لوٹو گے یقیناً اس سے بہتر ہے جس کو لے کر یہ لوگ لوٹیں گے، میں تو اگر ہجرت کرنے کا عمل ضروری نہ ہوتا تو انصار ہی کے اندر کا شخص ہوتا اور میرا طرز عمل تو یہ ہے کہ لوگ کسی ایک گھاٹی یا وادی میں چلیں اور انصار کسی دوسری گھاٹی اور وادی میں چلیں تو میں انصار ہی والی گھاٹی اور وادی میں چلوں گا، انصار تو شعار ہیں (یعنی اس لباس کی طرح ہیں جو ہر وقت جسم سے لگا رہتا ہے) اور دیگر لوگ اوپری کپڑوں کی طرح ہیں (یعنی ایسے کپڑے جن کی ضرورت ہر وقت نہیں پڑتی)۔

پھر آپ نے اس دعاء پر خطاب پورا کیا کہ

اے اللہ انصار پر رحم فرما اور انصار کی اولاد پر رحم فرما اور انصار کی اولاد کی اولاد پر رحم فرما۔ راوی کہتے ہیں کہ یہ سننا تھا کہ لوگ رونے لگے اور اتنا روئے کہ داڑھیاں ان کی آنسوؤں سے تر ہو گئیں اور انہوں نے کہا کہ ہم بالکل راضی

اور خوش ہیں کہ ہمارے حصہ میں اللہ کے رسول آئیں، اس طرح ہم زیادہ فائدے میں ہوں گے۔ (سیرت ابن ہشام: ۲/۴۹۹، صحیح بخاری، باب غزوة الطائف)

جیش اسامہ رضی اللہ عنہ کی تنفیذ

صحابہؓ کے لیے اطاعت و انقیاد کا امتحان اس وقت بھی کم نہ تھا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کمن اور غلام زادہ صحابی حضرت اسامہ بن زیدؓ کو امیر بنا کر صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ جیسے حضرات کو بھی ان کے تابع کر دیا، سارے صحابہ نے بسر و چشم امارت تسلیم کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارتحال فرمانے کا سانحہ عظیم پیش آ گیا تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سارے کاموں پر اس کام کو ترجیح دی اور جیش اسامہ کو اسی طرح روانہ کیا جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا تھا۔ اسی مہم کے متعلق صحابہ کرامؓ نے رائے دی کہ اس کو ملتوی کر کے پہلے مرتدین و کذاب مدعیان نبوت کا قلع قمع کیا جائے، لیکن خلیفہ اول کی طبیعت نے گوارا نہ کیا کہ ارادہ نبوی اور حکم رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم معرض التوا میں پڑ جائے اور جو پرچم رسول اللہ ﷺ کے ایماء سے روم کے مقابلہ کے لیے بلند کیا گیا اس کو دوسری جانب حرکت دی جائے، چنانچہ آپؐ نے برہم ہو کر فرمایا:

”خدا کی قسم اگر مدینہ اس طرح آدمیوں سے خالی ہو جائے کہ درندے آ کر میری ٹانگ کھنچنے لگیں جب بھی میں اس مہم کو روک نہیں سکتا۔“

چنانچہ آپؐ نے حکم دیا کہ تمام وہ لوگ جو لشکر اسامہ میں شامل تھے، روانگی کی تیاری کریں اور مدینہ کے باہر لشکر گاہ مقام ”جرف“ میں جمع ہو جائیں، جب تمام لشکر باہر جمع ہو گیا تو حضرت اسامہؓ بن زید نے حضرت عمر فاروقؓ کو جو لشکر میں شامل تھے، حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خدمت میں یہ پیغام دے کر بھیجا کہ بڑے بڑے آدمی سب میرے ماتھ ہیں، آپ ان کو واپس بلا لیں اور اپنے پاس رکھیں کیونکہ مجھ کو اندیشہ ہے کہ مشرکین

حملہ کر کے آپ کو اور مسلمانوں کو اذیت پہنچائیں، حضرت عمرؓ لشکر گاہ سے سالار لشکر کا پیغام لے کے جب روانہ ہونے لگے تو انصار نے بھی ایک پیغام حضرت عمرؓ کے ذریعہ خلیفہ کی خدمت میں روانہ کیا کہ آپ اس لشکر کا سردار کوئی ایسا شخص مقرر فرمائیں جو اسامہؓ سے زیادہ عمر کا ہو، حضرت عمرؓ نے آکر اول حضرت اسامہؓ کا پیغام عرض کیا، تو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا کہ

اس لشکر کے روانہ کرنے سے اگر تمام بستی خالی ہو جائے اور میں تن تنہا رہ جاؤں اور درندے مجھ کو اٹھا کر لے جائیں، تب بھی اس لشکر کی روانگی ملتوی نہیں ہو سکتی، پھر انصار کا پیغام سن کر فرمایا: اے ابن خطاب! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہ کو اس لشکر کا سپہ سالار بنایا اور تم مجھ سے ان کو معزول کرنے کی بات کہہ رہے ہو؟۔ (الکامل لابن الاثیر، ۳/ ۱۳۷-۱۳۸)

قدسی جماعت

رسول اللہ ﷺ کی تربیت کا اعجاز صحابہ کرامؓ کی جماعت ہے، یہ قدسی جماعت اسلام کا معجزہ ہے اور ساری انسانی خصوصیات اس مجموعہ میں سمٹ کر آگئی تھیں، ان کی پوری زندگی اللہ کے لیے ہوئی، ان کی دوستی، دشمنی، ان کا سلوک اور ان کا لین دین سب اللہ کے لیے تھا، انبیاء اور رسولوں کے بعد کوئی جماعت اگر سب سے بہتر ہو سکتی ہے تو وہ یہی صحابہ تھے جن کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ تھی اور جنہوں نے اس بڑی تعداد میں حجۃ الوداع میں عرفات میں جمع ہو کر اپنی محبت و فدائیت اور نبوی مشن سے تاحیات وابستگی کا یقین دلایا تھا، ایمان ان کے دلوں میں راسخ تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب خلفائے راشدین ابو بکر و عمر اور عثمان و علی اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے امت کی باگ ڈور سنبھالی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیاں ان کے ذریعہ پوری ہوئیں، قیصر

وکسری کاراج ختم ہوا اور اسلام کا روم و ایران، مصر و شام میں بول بالا ہوا اور ملک فتح ہوتے چلے گئے، صحابہ کو اللہ نے جو فضیلت و تفوق عطا فرمایا اس میں ان کا قیامت تک کوئی ہم سر نہ ہو سکے گا، جو ان کے اقدامات اور فیصلوں پر آج اعتراض کرتا ہے، یا ان کی نیتوں پر شبہ کرتا ہے، تو دراصل اس کو ان کی حسن تربیت پر شبہ ہے، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کامل اور مؤثر نہیں تو پھر کس کی تربیت اپنا رنگ دکھائے گی؟ صحابہ کرام انسانوں کا عطر اور خلاصہ اور انسانی رفعت و بلندی کی آخری چوٹی پر فائز تھے اور انسانی اخلاق و صفات، عادات و اطوار، محاسن و فضائل اور انسانی شرافت و کرامت میں اس بلند مقام پر فائز تھے، جس کو نوع انسانی کے بڑے بڑے عقلاء اپنے تخیل میں بھی نہیں لاسکتے۔ شیخ علی طنطاویؒ نے لکھا ہے:-

”یہی وہ اسلام ہے جس کا آغاز جاہل، ان پڑھ، منتشر اور آپس میں دست و گریباں بد و عرب میں ہوا، اسلام نے انہی سے ایسا مجموعہ تیار کیا کہ انسانی تاریخ نے اس سے زیادہ متوازن و مکمل مجموعہ کمالات نہیں دیکھا، اسلام کی روح مسلمانوں کی روح میں رچ بس گئی اور ان کے دل و دماغ اور اعصاب پر چھائی گئی، دنیا کی محبت، اس کی حرص و لالچ، خیانت، جھوٹ جیسے اخلاق ذمیمہ سے ان کو پاک کر دیا اور ایک ایسی جماعت تیار کر دی جو انسانوں کا عطر و خلاصہ اور انسانی بلندی کی بلند ترین چوٹی پر فائز تھے، یہ دین کے ایسے غلام بن گئے جو نہ اپنے مال کا مالک ہے، نہ اپنی جان کا، جو مالک کی مرضی اور اجازت کے بغیر ادنیٰ سے ادنیٰ تصرف بھی نہیں کر سکتا، ان لوگوں کی صلح و جنگ، دشمنی و دوستی، خوشی و ناراضگی، عطا و محرومی اور صلہ رحمی و قطع رحمی سب اللہ کے حکم کے تابع بن چکی تھی، جو کچھ بھی کرتے اس کے حکم کے موافق کرتے، شہوات اور نفسانیت کا خاتمہ ہو گیا تھا اور خواہشات اور خود سری سے مکمل طور پر دستبردار ہو گئے تھے

اور اب صرف خدا کی بندگی اور دین کی رہبری و دعوت تھی۔

(أبو بكر الصديق، از: علی طنطاوی، مطبوعہ دار المنارة، جده، ص: ۲۸-۲۹)

صحابہ کرام معیار حق ہیں

در حقیقت صحابہ سب کے سب عادل اور تام الضبط ہیں، شریعت اسلامی کے مرجع ہیں اور تمام فقہی مذاہب و مسالک انہی پر منتهی ہوئے ہیں، دین و شریعت میں انہی کا علم سب کے علم کی بنیاد ہے، ان سے محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے اور اللہ کی رضا کا سبب اور آخرت میں اچھے انجام کا ذریعہ ہے، یہ رجال ہیں، لیکن ہماری اور آپ کی طرح نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و رفاقت نے ان کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا، وحی نازل ہوتی تھی، اس کا پس منظر ان کے سامنے ہوتا تھا، وحی کو یہ لکھنے والے ہوتے تھے اور پھر اللہ نے قرآن مجید کے جمع و تدوین کا کام اسی قدسی جماعت سے لیا، عام امت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان یہی واسطہ ہیں، ان کو الگ کر دیا جائے تو امت کا سلسلہ نسب منقطع ہو جائے گا، نہ ہی ان کو الگ کر کے قرآن کو، نہ ہی حدیث کو، نہ ہی دین و شریعت اور فقہ و تاریخ کو سمجھا جاسکتا ہے۔

علامہ سیوطی کی یہ بات آب زر سے لکھی جانے والی ہے کہ

صحابہ کرام جرح و تعدیل سے اس لیے بھی بالاتر ہیں کہ وہ شریعت کے حامل ہیں، اگر ان کو بھی عدالت میں لایا جائے گا تو شریعت محمدی صرف عہد نبوی تک خاص ہو کر رہ جائے گی اور زمانی و مکانی دونوں اعتبار سے ایک صدی اور ایک دائرہ خلافت میں محدود رہ جائے گی۔ (تدریب الروای، ص: ۴۰۰)

علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

”رضا (خوشنودی) اللہ تعالیٰ کی ایک قدیم صفت ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ اسی

شخص سے راضی اور خوش ہوگا جس کے بارے میں وہ یہ جانتا ہے کہ اس کا وصال رضا کے تقاضوں کے ساتھ ہوگا اور جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو گیا اس سے کبھی ناراض نہیں ہوگا، پس جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دے دی کہ وہ اس سے راضی ہو تو وہ یقیناً جنتی ہے، اگرچہ اس کی رضا اس شخص کے ایمان لانے اور عمل صالح کرنے کے بعد ہو، تو اللہ تعالیٰ اپنی اس رضا کا ذکر مدح و ثنا اور تعریف کے مقام میں کرتے ہیں، اگر اللہ کے علم میں یہ بات ہوتی کہ یہ شخص اس کے بعد ایسا کام کرے گا جو اس کی ناراضگی کا سبب بنے گا تو وہ کبھی تعریف کا مستحق نہ ہوتا۔“

(الصارم المسلول: ۵۷۲-۵۷۳، دارالکتب العلمیہ، تحقیق: محمد محی الدین عبد الحمید)

ابو نعیم نے اپنی کتاب ”الامامة“ میں لکھا ہے:

”اس شخص سے زیادہ برا حال کس کا ہوگا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے اور ان کی نافرمانی اور حکم عدولی کا راستہ اختیار کرے، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ وہ اپنے ساتھیوں سے درگزر کریں اور ان کی لیے مغفرت طلب کریں اور ان کے ساتھ نرمی سے پیش آئیں، ارشاد باری تعالیٰ:

وَلَوْ كُنْتُمْ فَظًا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَأَنْفَضُوا مِنْ حَوْلِكُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ

وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ، (آل عمران: ۱۵۹)

اور اگر آپ تند خو، سخت طبع ہوتے تو لوگ آپ کے پاس سے منتشر ہو گئے ہوتے، سو آپ ان سے درگزر کیجیے اور ان کے لیے استغفار کر دیجیے، اور ان سے معاملات میں مشورہ لیتے رہیے۔ نیز فرمایا:

وَإِخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۲۱۵﴾ (سورہ شعراء: ۲۱۵)

اور جو مسلمانوں میں داخل ہو کر آپ کی راہ پر چلے تو آپ اس کے ساتھ فروتنی سے پیش آئیے، تو اب جو شخص انہیں گالی دے، ان کی تنقیص کرے، ان سے بغض رکھے اور ان کے مشاجرات اور باہمی جنگوں کی عمدہ تاویل اور ان کو اچھے معنی پر محمول نہ کرے تو وہ اس ادب و اخلاق کی حد سے منحرف ہو جائے گا جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کے بارے میں بڑی تاکید کے ساتھ دیا ہے، صحابہ کرام کی شان میں زبان درازی وہی شخص کرے گا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے صحابہ کرام اور اسلام اور مسلمانوں کا بدخواہ اور بدطینت ہوگا۔

(الإمامہ، ۳۷۵-۳۷۶، تحقیق: علی فقہی، مکتبۃ العلوم والحکم، مدینہ منورہ، طبع اول، ۱۴۰۷ھ)

سیرت نبوی کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت و تاریخ ایمانی طاقت و قوت اور دینی جذبہ کا سرچشمہ ہیں جس سے یہ امت اور دینی دعوت و تحریک قوت و کمک اور ایمانی جوش و ولولہ حاصل کرتی ہیں اور دلوں کی سردانگی ٹھیوں کو روشن کرتی ہیں جو مادیت کے تیز و تند جھونکوں میں بجھتی جا رہی ہیں اور اگر یہ انگلیٹھیاں بجھ گئیں تو یہ امت اپنی طاقت و قوت، اپنی شناخت و پہچان، امتیازات و خصوصیات اور تاثیر کھودے گی اور لاشہ بے جان بن رہ جائے گی۔

مدرسہ نبوی کے تربیت یافتہ

مشہور مثل ہے ”درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے“ اور درخت سے فائدہ وہی شخص اٹھاتا ہے جو اس کے سایہ میں بیٹھتا ہے، ایک عربی شاعر کہتا ہے۔

وقانا لفحة الرمضاء واد

سقاہ مضاعف الغیث العمیم

حللنا دوحہ فحنا علینا

حنو المرضعات علی الفطیم

(دھوپ کی تپش اور سختی سے ہم کو ایسی وادی نے بچا لیا جس میں پانی تھا، ہم اس کے گھنے درخت کے سایہ میں بیٹھ گئے، تو اس کی شاخوں نے ہم کو اپنے سایہ میں لیا جس طرح مائیں دودھ چھڑائے ہوئے بچوں کو اپنی شفقت و پیار کی آغوش میں لے لیتی ہیں)۔
لیکن یہ سایہ وقتی ہوتا ہے اور جب پھل میٹھا ہوتا ہے تو قریب و بعید، چھوٹے اور بڑے سب کو فائدہ پہنچاتا ہے، قرآن مجید میں کلمہ طیبہ کو ”شجرہ طیبہ“ سے تشبیہ دی گئی ہے، ارشادِ باری ہے:

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا

ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ ﴿٣٤﴾ تُؤْتِي أُكْلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا ۗ وَيَضْرِبُ

اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿٣٥﴾ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ

كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْأَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ﴿٣٦﴾ يُثْبِتُ

اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ،
 وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ ۖ وَيَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ ﴿۲۴﴾ (ابراہیم: ۲۴-۲۷)

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے کلمہ طیبہ کی کیسی مثال بیان کی ہے؟ وہ ایک پاکیزہ درخت کی طرح ہے، جس کی جڑ زمین میں مضبوطی سے جمی ہوئی ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں، اپنے رب کے حکم سے وہ ہر آن پھل دیتا ہے، اللہ (اس قسم کی) مثالیں اس لیے دیتا ہے تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں اور ناپاک کلمہ کی مثال ایک خراب درخت کی طرح ہے جسے زمین کے اوپر ہی اوپر سے اکھاڑ لیا جائے، اس میں ذرا بھی جماؤ نہ ہو، جو لوگ ایمان لائے ہیں، اللہ ان کو اس مضبوط بات پر دنیا کی زندگی میں بھی جماؤ عطا کرتا ہے اور آخرت میں بھی اور ظالم لوگوں کو اللہ بھٹکا دیتا ہے اور اللہ (اپنی حکمت کے مطابق) جو چاہتا ہے کرتا ہے۔“

جس طرح درخت اپنے پھل اور کھیتی اپنے پودے سے پہچانی جاتی ہے، استاد بھی اپنے شاگردوں سے پہچانا جاتا ہے، چنانچہ ہم تراجم اور سیر و سوانح کی کتابوں میں اساتذہ و مشائخ کا تذکرہ دیکھیں، پھر ان کے شاگردوں کو دیکھیں جو اپنی علمی قابلیت کی وجہ سے دنیا میں نمایاں ہوئے، اسی طرح عظیم دینی شخصیات پر نظر ڈالیں اور ان لوگوں کو پڑھیں جن کے قابل رشک کارنامے تاریخ نے درج کیے ہیں اور جن کی وجہ سے ان کے مشائخ کا فیض آنے والی نسلوں تک پہنچ سکا، تو ہم دیکھیں گے کہ یہ سب کچھ شیخ کی صلاحیت و دیدہ وری، اس کے علمی سرچشمہ اور متعلم و مسترشد کے اخاذ ذہن پر منحصر ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”میری تربیت اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے اور بہترین فرمائی ہے۔“ حضرت عائشہؓ سے آپ ﷺ کے اخلاق کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: ”کان خلقه القرآن“ آ (ﷺ) اخلاق میں قرآن کا مجسم نمونہ

تھے۔ خود قرآن نے حضور ﷺ کو معلم و مزر کی کہا ہے:

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَإِنْ كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۲﴾
(سورہ جمعہ: ۲)

وہی ہے جس نے امی لوگوں میں انھیں میں سے ایک رسول کو بھیجا جو ان کے
سامنے اس کی آیتوں کی تلاوت کریں اور ان کو پاکیزہ بنائیں اور انھیں کتاب و
حکمت کی تعلیم دیں، جبکہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور پاک ﷺ کی براہ راست صحبت اٹھائی، چنانچہ
صحابہؓ میں بھی حضور ﷺ کی صفات منتقل ہوئیں، ان صفات میں سب سے اہم صفت جذبہ
دعوت ہے، ارشادِ بانی ہے:

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ۗ وَإِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ
رِسَالَاتَهُ ۗ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
الْكٰفِرِينَ ﴿۶۷﴾ (المائدہ: ۶۷)

اے رسول جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اس کی تبلیغ
کرو اور اگر ایسا نہیں کرو گے تو (اس کا مطلب یہ ہوگا کہ) تم نے اللہ کا پیغام
نہیں پہنچایا اور اللہ تمہیں لوگوں (کی سازشوں) سے بچائے گا۔ یقین رکھو کہ اللہ
کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران حضور ﷺ کو مشقتوں کو برداشت کرنے، مشرکین
سے اعراض برتنے، صبر اور معاف کرتے رہنے کا حکم دیا گیا تھا، حضور ﷺ خود فرماتے ہیں
کہ ”اللہ کے راستے میں جتنا مجھے ڈرایا گیا اتنا کسی کو نہیں ڈرایا گیا، اللہ کے راستے میں جتنی
تکلیف مجھے دی گئی اتنی تکلیف کسی کو نہیں دی گئی، کئی بار ایسا ہوا کہ پورا پورا مہینہ اس حال

میں گزرا کہ نہ میرے پاس نہ بلال کے پاس کوئی چیز ایسی تھی جسے انسان کھا سکے، سوائے اس کے جو بلال اپنے بغل میں رکھ لیتے تھے۔ (ترمذی ۲۷۴۲، ابن ماجہ ۱۵۱)

یہی نہیں، بلکہ جو بھی حضور ﷺ پر ایمان لایا اور آپ کی صحبت و رفاقت سے شرف یاب ہوا وہ داعی الی اللہ اور تکلیف و مصیبت میں صبر کرنے والا بنا، سیر صحابہؓ میں محبت و وارفتگی اور راہ خدا میں جاں نثاری کے ایسے ایسے واقعات درج ہیں جسے سن کر اور پڑھ کر عقلِ انسانی حیران و ششدر رہ جاتی ہے۔ (تفصیل کے ملاحظہ کریں: سیرت ابن ہشام ۱/۳۱۷)

صبر و برداشت کے نمونے

صحابہ کرامؓ نے ایسی سخت آزمائشوں کا سامنا کیا جس کے مقابلہ سے بلند و بالا سخت پہاڑ بھی قاصر ہیں، اپنی جان اور اپنا مال سب کچھ اللہ کی راہ میں قربان کیا اور سخت ترین مشقتیں برداشت کیں، جب کہ انھی مشقتوں کو دیکھ کر سردارانِ مکہ نے اسلام قبول نہیں کیا۔

عمار اور ان کے والد یاسر، ان کی والدہ سمیہ مسلمان ہو گئے تھے، بنی مخزوم ان کو باہر لاتے اور ان کو مکہ کی سخت گرمی اور تپش میں مختلف قسم کی تکلیفیں پہنچاتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادھر سے گذر ہوتا تو آپؐ کو رنج و افسوس ہوتا، لیکن آپؐ اس وقت اور کچھ نہیں کر سکتے تھے، سوائے اس تلقین کے کہ: ”اصبر وایا آل یاسر فإن موعدکم الجنة“ (آل یاسر ذرا صبر رکھو! تمہاری منزل جنت ہے) ان پر ظلم اس قدر بڑھا کہ کم بخت ابو جہل نے بی بی سمیہ کے اندام نہانی میں نیزہ مارا جس کے اثر سے وہ شہید ہو گئیں۔

(سیرت ابن ہشام: ۱/۳۲۰، زاد المعاد: ۲۲/۳)

حضرت مصعب بن عمیرؓ مکہ کے بہت خوش پوشاک نوجوان تھے اور ناز و نعم میں پلے تھے، وہ اپنے والدین کے بڑے لاڈلے تھے، ان کی والدہ صاحبہ ثروت تھیں اور

ان کو اچھے سے اچھا لباس پہناتی تھیں، خوشبوؤں کے استعمال میں بھی اہل مکہ میں ان سے بڑھ کر کوئی نہ تھا، حضرمی جوتے جو بہت قیمتی ہوتے ہیں ان کے استعمال میں رہتے، رسول اللہ ﷺ ان کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے تھے: ”میں نے مکہ میں مصعب بن عمیر سے زیادہ خوش وضع و خوب رو، جامہ زیب اور ان سے زیادہ ناز پروردہ کسی اور کو نہیں دیکھا“۔ مصعب بن عمیرؓ کو جب یہ اطلاع ملی کہ رسول اللہ ﷺ دار ارقم میں دعوت اسلام دیتے ہیں، تو وہ بھی وہاں پہنچے، اسلام قبول کیا اور آپؐ کی تصدیق کی، وہاں سے نکل کر یہ بات اپنی والدہ اور قوم کے ڈر سے ظاہر نہیں کی اور چھپ چھپ کر رسول اللہ ﷺ سے ملتے رہے، عثمان بن طلحہ نے ایک بار ان کو نماز پڑھتے دیکھ لیا اور ان کی والدہ اور ان کے قبیلہ والوں کو خبر دی، وہ ان کو پکڑ لے گئے اور قید کر دیا اور جب تک حبشہ کی طرف پہلی ہجرت نہ ہوئی وہ جیل ہی میں رہے، اس پہلے قافلہ کے ساتھ انہوں نے ہجرت کی، پھر مسلمانوں کے ساتھ اس شان سے واپس ہوئے کہ ان کی حالت یکسر تبدیل ہو چکی تھی اور نرمی اور مرفہ الحالی کی جگہ کھردراپن پیدا ہو گیا تھا، ان کی والدہ بھی اس تغیر حال کو دیکھ کر ان کو لعنت و ملامت کرنے سے باز رہیں۔ (طبقات ابن سعد: ۸۲/۳، الاستیعاب: ۲۸۸/۱)

بعض مسلمانوں نے مشرکین کی پناہ بھی لی تھی، یہ مشرکین قریش کے بااثر و ذی وجاہت سردار تھے اور ان کی پوری حفاظت کرتے تھے، عثمان بن مظعون نے ولید بن مغیرہ کی پناہ لی تھی، لیکن ان کی غیرت نے اس کو گوارا نہ کیا اور انہوں نے ان کی حمایت کی ذمہ داری ان کو واپس کر دی، انہوں نے کہا کہ مجھے اس کی خواہش اور تمنا ہوئی کہ میں غیر اللہ کی پناہ نہ لوں، ان سے اور کسی مشرک سے کچھ بات ہوئی، اس پر اس مشرک کو غصہ آ گیا اور اس نے اٹھ کر ان کی آنکھ پر ایک ایسا طمانچہ مارا کہ آنکھ جاتی رہی، ولید بن مغیرہ قریب ہی یہ منظر دیکھ رہا تھا، اس نے کہا کہ خدا کی قسم! میرے بھتیجے تمہاری آنکھ اس صدمہ سے محفوظ تھی اور تم ایک مضبوط پناہ میں تھے، تم نے خواہ مخواہ اس مصیبت کو دعوت دی، حضرت عثمان بن مظعونؓ

نے جواب دیا کہ واللہ میری اچھی آنکھ بھی یہ تمنا کر رہی ہے کہ اس کے ساتھ وہی حادثہ پیش آئے اور اے عبد شمس! میں تو اس کے جوار اور پناہ میں ہوں جو تم سے زیادہ صاحب عزت اور با اقتدار ہے۔ (سیرت ابن ہشام: ۱/۳۷۰)

جب حضرت عثمان بن عفانؓ اسلام لائے تو ان کو ان کے چچا حکم بن ابی العاص بن امیہ نے خوب مضبوطی سے باندھ دیا اور اس کے بعد کہا کہ کیا تم اپنے آباؤ اجداد کا دین چھوڑ کر ایک نئے دین کو اختیار کر رہے ہو، خدا کی قسم میں تم کو اس وقت تک نہ کھولوں گا جب تک تم اپنے اس دین کو نہ چھوڑ دو گے، حضرت عثمانؓ نے کہا کہ واللہ میں اس کو کبھی بھی نہ چھوڑوں گا، جب حکم نے اپنے دین پر ان کی یہ مضبوطی اور یقین دیکھا تو ان کو رہا کر دیا۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عثمان بن عفان کے اسلام لانے کی خبر ان کے چچا حکم بن ابی العاص بن امیہ کو ہوئی تو وہ حضرت عثمان کو کھجور میں باندھ دیتا اور نیچے سے دھواں دیا کرتا۔ (طبقات ابن سعد: ۳/۳۷۳)

خباب بن ارت کے سر کے بال کھینچے جاتے، گردن مروڑی جاتی، بارہا آگ کے انگاروں پر لٹایا گیا۔ (الکامل فی التاریخ: ۲/۶۷۷)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ حبشی تھے، امیہ بن خلف کے غلام تھے، جب امیہ نے سنا کہ بلال مسلمان ہو گئے ہیں، گونا گوں عذاب ان کے لیے ایجاد کیے گئے، گردن میں رسی ڈال کر لڑکوں کے ہاتھ میں دی جاتی اور وہ مکہ کی پہاڑیوں میں انھیں لیے پھرتے، رسی کا نشان گردن میں نمایاں ہو جاتا، وادی مکہ کی پتی ہوئی ریت پر ان کو لٹا دیا جاتا اور گرم گرم پتھر ان کی چھاتی پر رکھ دیا جاتا، مشکیں باندھ کر لکڑیوں سے پیٹا جاتا، دھوپ میں بٹھایا جاتا، بھوکا رکھا جاتا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ ان سب حالتوں میں احدا حد کے نعرہ لگاتے رہتے کہ خدا ایک ہے، خدا ایک ہے۔ (طبقات ابن سعد: ۳/۱۶۶، حلیۃ ابی نعیم: ۱/۱۴۹)

اس حالت میں ایک مرتبہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے پاس سے

گذرے اور امیہ کو حضرت بلال کے بدلہ میں ایک ان سے زیادہ مضبوط و توانا اور سیاہ فام غلام دے کر حضرت بلال کو آزاد کرادیا۔ (سیرت ابن ہشام: ۱/۳۱۷-۳۱۸)

ابو فکیہہ جن کا نام افرح تھا، کے پاؤں میں رسی باندھ کر انہیں پتھریلی زمین پر ٹھسینا جاتا (الکامل فی التاریخ: ۲/۶۹)۔

قریش کا یہ سلوک غلاموں اور ضعیفوں کے ہی ساتھ نہ تھا؛ بلکہ اپنے فرزندوں اور عزیزوں کے ساتھ بھی وہ ایسی ہی سنگ دلی کا برتاؤ کیا کرتے۔

بعض صحابہ کو قریش گائے، اونٹ کے کچے چمڑے میں لپیٹ کر دھوپ میں پھینک دیتے تھے، بعض کو لوہے کی زرہ پہنا کر جلتے جلتے پتھروں پر لٹا دیا کرتے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا واقعہ

اسلام کا راستہ کانٹوں بھرا نہایت پُرخطر تھا، حق کا متلاشی جب تک سر پہ کفن اور ہتھیلی پر جان لے کر نہ چلے دولت اسلام سے مالا مال نہیں ہو سکتا تھا، بطور مثال حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی مکہ آمد، حضور ﷺ سے ملاقات اور مشرف بہ اسلام ہونے کا واقعہ پڑھ سکتے ہیں جسے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے نقل کیا ہے۔

حضرت ابوذر غفاریؓ اپنے شہر یثرب میں ہی تھے کہ انہوں نے نبی ﷺ کے متعلق کچھ اڑتی سی خبر سنی، اپنے بھائی سے کہا کہ تم اس وادی یعنی مکہ میں جاؤ اور ذرا ان صاحب کا جو اپنے کو نبی کہتے ہیں اور جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کے پاس آسمان سے وحی آتی ہے، ان کا کچھ پتہ لگاؤ، ان کی گفتگو سنو اور پھر مجھے آکر بتاؤ، چنانچہ وہ روانہ ہوئے، ان کے برادر انیس خود ایک مشہور فصیح شاعر اور زبان آور تھے، وہ نبی کریم ﷺ سے ملے، آپ کی بات سنی، پھر بھائی کو جا کر بتایا کہ میں نے دیکھا کہ وہ بہت پسندیدہ و اعلیٰ ترین اخلاق کی تعلیم دیتے ہیں، جو کلام میں سن کر آیا ہوں، اسے کسی طرح بھی شعر نہیں کہا جاسکتا ہے، حضرت

ابو ذر بولے، اتنی سی بات سے تو کچھ تسلی نہیں ہوتی، آخر خود پیدل چل کر مکہ پہنچے۔

حضرت ابو ذرؓ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شناخت نہ تھی اور کسی سے دریافت کرنا بھی مناسب نہ سمجھتے تھے، اسی تلاش میں رات ہو گئی، اس وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان کو دیکھا اور ان کو اندازہ ہو گیا کہ یہ کوئی نووارد اور مسافر ہے، علی مرتضیٰ نے کہا: اچھا میرے ہاں چلو، یہ رات کو وہیں رہے، لیکن کسی نے ایک دوسرے سے کچھ نہ پوچھا، جب صبح ہوئی، تو وہ اپنا مشکیزہ اور زاد راہ لیکر پھر اسی مسجد میں پڑ گئے اور یہ دن بھی اسی طرح گذر گیا، دل میں آنحضرت ﷺ کی تلاش تھی، مگر کسی سے دریافت نہ کرتے تھے، علی مرتضیٰ پھر آ پہنچے، انہوں نے فرمایا، شاید تمہیں اپنا ٹھکانہ نہیں ملا، ابو ذر نے اثبات میں جواب دیا، علی مرتضیٰ پھر ساتھ لے گئے، اب انہوں نے پوچھا، تم آخر ہو کون اور یہاں کس لیے آئے ہو؟ انہوں نے کہا، اگر تم مجھ سے رازداری، اخفائے حال اور میری رہنمائی کا وعدہ کرو، تو بتا سکتا ہوں، علی مرتضیٰؓ نے وعدہ کر لیا، ابو ذر نے کہا: میں نے سنا ہے کہ اس شہر میں ایک شخص ہے جو اپنے آپ کو اللہ کا نبی بتاتا ہے، میں نے اپنے بھائی کو بھیجا تھا، وہ یہاں سے کچھ تسلی بخش بات لیکر نہ گیا، اس لیے خود آ گیا ہوں، علی مرتضیٰؓ نے کہا: تم خوب آئے اور خوب ہوا کہ مجھ سے ملے، دیکھو میں انہی کی خدمت میں جا رہا ہوں، میرے ساتھ چلو، میں پہلے اندر جا کر دیکھ لوں گا، اگر اس وقت ملنا مناسب نہ ہوگا، تو میں دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو جاؤں گا جو تادرت کر رہا ہوں۔

الغرض ابو ذرؓ علی مرتضیٰؓ کے ساتھ خدمت نبوی میں پہنچے اور عرض کیا: مجھے بتایا جائے کہ اسلام کیا ہے؟ آپ ﷺ نے اسلام کی بابت بیان فرمایا، آپ ﷺ کی بات سن کر وہ اسی جگہ مسلمان ہو گئے، نبی ﷺ نے فرمایا: ابو ذر تم ابھی اس بات کو چھپائے رکھو اور اپنے وطن کو چلے جاؤ، جب تمہیں ہمارے ظہور کی خبر مل جائے تب آ جانا، انہوں نے کہا: بخدا میں تو ان دشمنوں میں اعلان کر کے جاؤں گا، اب ابو ذر کعبہ کی طرف آئے، قریش جمع تھے،

انہوں نے سب کو سنا کر باواز بلند کلمہ شہادت ”أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللَّهِ“ پڑھا، یہ سن کر لوگوں نے ان کو گھیر لیا اور اتنا مارا کہ بے دم ہو کر زمین پر لیٹ گئے، اتنے میں حضرت عباس آگئے، انہوں نے انہیں جھک کر دیکھا اور کہا کم بختو! یہ قبیلہ غفار سے تعلق رکھتے ہیں اور تمہارے شام کے تاجروں کا راستہ انہی کے قبیلہ سے ہو کر گزرتا ہے، لوگ یہ سن کر ہٹ گئے، اگلے دن پھر سب کو سنا کر کلمہ پڑھا، پھر لوگوں نے انہیں مارا اور حضرت عباس نے آکر ان کی مدد کی۔

(بخاری، باب اسلام ابی ذر رضی اللہ عنہ، رقم الحدیث: ۳۸۶۱، و مسلم: ۷۴۷۴)

عشق نبوی کے نمونہ

جن لوگوں نے حضور ﷺ کی صحبت و تربیت میں پرورش پائی اور پروان چڑھے، انہوں نے علم و حکمت اسی نبوی مدرسہ میں حاصل کیا، تزکیہ و احسان کا فیض یہیں سے اٹھایا، یہاں استفادہ ہی تعلق کی اصل بنیاد تھا، صحابہ کا نبی ﷺ سے تعلق اتنا پختہ تھا کہ کوئی دوسرا تعلق اس کی برابری نہیں کر سکتا۔ یہ تعلق فدائیت و جانثاری اور محبت پر مبنی تھا، صحابہ کرام ہر معاملہ میں آپ ہی کو اسوہ اور نمونہ مانتے تھے، سیرت کی کتابوں میں اس مثالی ربط و تعلق، رسول اکرم ﷺ سے استفادہ کا شوق و جذبہ، بلکہ انفرادی و اجتماعی ہر سطح پر آپ سے مشورہ اور دین و دنیا کے ہر مسئلہ میں آپ ہی کو فیصل و مقتدا ماننے کی بیشمار مثالیں موجود ہیں۔ سب کے سب کلی طور پر نبی کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے، ارباب قیادت و سیادت بلکہ انبیائے سابقین کی تاریخ میں انفرادی سطح پر اس قدر ہم آہنگی کی مثال نہیں ملتی، إلا ماشاء اللہ۔

اصحاب رسول اللہ ﷺ کی اس بے نظیر خوبی، مثالی تعلق و محبت، جانثاری اور اطاعت و تابعداری کا اعتراف دشمنوں نے بھی کیا ہے، صلح حدیبیہ کے موقع پر عروہ بن

مسعود ثقفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر ملے اور آپ ﷺ سے گفتگو کی، دوران گفتگو عروہ کنکھیوں سے صحابہ کرام کو دیکھتے جاتے تھے، جن کا حال یہ تھا کہ اگر آپ ﷺ تھوکتے تو کوئی نہ کوئی اس کو ہاتھ پر لے لیتا اور اپنے چہرے اور جسم پر لگا لیتا، آپ ﷺ کوئی حکم فرماتے تو ہر شخص تعمیل کے لیے لپکتا، وضو فرماتے تو وضو کے پانی پر جاں نثار اس طرح ٹوٹے کہ لڑائی کا خطرہ ہونے لگتا، آپ ﷺ کلام فرماتے تو سب ہمہ تن گوش ہو جاتے، فرط تعظیم اور ادب کی وجہ سے کوئی آپ ﷺ سے نظریں ملانے کی ہمت نہ کرتا، عروہ نے واپس جا کر اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اے قوم! میں بادشاہوں کے دربار میں گیا ہوں، میں نے قیصر و کسریٰ اور نجاشی کی شان و شوکت بھی دیکھی ہے، لیکن خدا کی قسم میں نے نہیں دیکھا کہ کسی بادشاہ کے درباری و مصاحبین ایسا ادب اور اس درجہ تعظیم کرتے ہوں جیسے کہ محمد ﷺ کے ساتھی محمد ﷺ کی کرتے ہیں۔ (بخاری، باب الشروط فی الجهاد و المصاحۃ مع اهل الحرب)

ابو جحیفہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ بلال نے رسول اللہ ﷺ کے وضو کے پانی کو لیا اور لوگ ان کے پیچھے دوڑ پڑے، جس کو اس پانی سے کچھ مل جاتا اس کو اپنے چہرہ اور جسم پر مل لیتا اور جس کو نہ ملتا وہ اپنے ساتھی کی تری سے لے لیتا۔

غزوہ احد میں ایک موقع پر جب یہ خبر پھیل گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے، تو ایک بھی صحابی نے تخلف نہیں کیا؛ بلکہ یہ صدا بلند ہوئی کہ چلو تم بھی اسی پر جان دیدو جس پر آقائے نامدار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جان قربان کر دی ہے۔

ہرقل اور ابوسفیان کا مکالمہ

صحابہ کرام کی اس صفت کا اعتراف اس مکالمہ میں بھی ملتا ہے جو ہرقل اور ابوسفیان کے درمیان ہوا۔ حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ ان سے ابوسفیان نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط ملک شام گیا تھا تو ہم وہیں تھے، دحیہ کلبی وہ خط لائے

تھے، انہوں نے بصری کے امیر کو دیا تھا اور امیر بصری نے ہرقل کو دیا، ہرقل نے پوچھا کہ جو شخص نبوت کا دعویٰ کرتا ہے کیا اس کی قوم کا کوئی آدمی یہاں ہے، لوگوں نے کہا کہ ہاں، اس لیے وہ لوگ مجھ کو اور میرے چند ساتھیوں کو ہرقل کے پاس لے گئے، ہرقل نے پوچھا کہ ان کا سب سے قریبی رشتہ دار کون ہے، ابوسفیان نے کہا کہ میں ہوں، اس لیے ابوسفیان کو ہرقل کے سامنے بٹھایا اور اس کے ساتھیوں کو اس کے پیچھے، پھر ہرقل نے ترجمان کے ذریعے کہا کہ مدعی نبوت کے بارہ میں ہم کچھ ان سے پوچھنا چاہتے ہیں، اگر ہم سے یہ کوئی بات غلط کہیں تو تم لوگ اسکو ظاہر کر دینا، ابوسفیان کا بیان ہے کہ اگر ہم کو ہمارا جھوٹ بولنا ظاہر ہونے کا اندیشہ نہ ہوتا تو ضرور اس روز ہم بہت سی بات لگا کر کہتے۔

ہرقل: ان کا نسب کیا ہے؟

ابوسفیان: وہ ہم میں عالی نسب سمجھے جاتے ہیں۔

ہرقل: کیا جو بات وہ کہتے ہیں ان سے پہلے بھی کسی نے کہی ہے؟

ابوسفیان: نہیں۔

ہرقل: اس خاندان میں کوئی بادشاہ گذرا ہے؟

ابوسفیان: نہیں۔

ہرقل: کیا صاحب اثر لوگوں نے ان کا اتباع کیا ہے یا کمزوروں نے؟

ابوسفیان: کمزور لوگوں نے۔

ہرقل: ان کے پیرو بڑھ رہے ہیں یا گھٹتے جاتے ہیں؟

ابوسفیان: بڑھتے جاتے ہیں۔

ہرقل: کیا کوئی ان کے دین میں داخل ہونے کے بعد دین کو ناپسند کر کے پھر بھی

جاتا ہے؟

ابوسفیان: نہیں۔

ہرقل: کیا ان کے اس دعوے سے پہلے بھی تم نے کبھی ان پر جھوٹ کا تجربہ کیا ہے؟
ابوسفیان: نہیں۔

ہرقل: کیا وہ عہد و قرار کی خلاف ورزی بھی کرتے ہیں؟
ابوسفیان: ابھی تک تو نہیں کی، لیکن اب جو نیا معاہدہ صلح ہے اس میں دیکھیں وہ
عہد پر قائم رہتے ہیں یا نہیں؟

ہرقل: تم لوگوں نے کبھی ان سے جنگ کی؟

ابوسفیان: ہاں۔

ہرقل: نتیجہ جنگ کیا رہا؟

ابوسفیان: جنگ کا پانسہ ہمارے اور ان کے درمیان پلٹتا رہتا ہے، کبھی ہم غالب
آتے ہیں کبھی وہ۔

ہرقل: وہ کیا تعلیم دیتے ہیں؟

ابوسفیان: وہ کہتے ہیں کہ ایک خدا کی عبادت کرو، کسی اور کو خدا کا شریک نہ بناؤ،
نماز پڑھو، پاکدامنی اختیار کرو، سچ بولو، صلہ رحمی کرو۔

ہرقل نے مترجم سے کہا کہ ان سے کہو کہ ہم نے تم سے ان کے نسب کے بابت
دریافت کیا، تو تم نے بتایا کہ وہ تم میں شریف النسب ہیں، پیغمبر ہمیشہ اچھے ہی خاندانوں
میں پیدا ہوتے ہیں۔ میں نے تم سے دریافت کیا کہ کیا اس خاندان میں کسی اور نے بھی
نبوت کا دعویٰ کیا تھا، تو تم نے کہا کہ نہیں، اگر ان سے پہلے کسی نے یہ دعویٰ کیا ہوتا تو میں کہتا
کہ وہ اسی کی نقل کر رہے ہیں۔ میں نے تم سے پوچھا کہ کیا ان کے خاندان میں کوئی بادشاہ
گذرا ہے تم نے کہا نہیں، اگر کوئی بادشاہ گذرا ہوتا تو میں کہتا کہ اپنے خاندان کی بادشاہت
کے طالب ہیں۔ میں نے دریافت کیا کہ کیا تم ان کو اس دعویٰ سے پہلے بھی کبھی جھوٹا کہتے
تھے، تم نے کہا نہیں، میں جانتا ہوں کہ یہ ناممکن تھا کہ وہ لوگوں سے تو جھوٹ نہ بولیں اور

اللہ پر جھوٹ باندھیں۔ میں نے تم سے دریافت لیا کہ شرفاء اور بااثر لوگ ان کے قبیح ہیں یا غریب اور کمزور، تم نے کہا کمزوروں نے ہی ان کی پیروی کی ہے، پیغمبروں کے ابتدائی پیرو ہمیشہ غریب ہی لوگ ہوتے ہیں۔ میں نے تم سے دریافت کیا کہ ان کے پیرو بڑھتے جاتے ہیں یا گھٹتے جاتے ہیں، تم نے کہا کہ بڑھتے جاتے ہیں، ایمان کا یہی معاملہ ہے کہ بڑھتا جاتا ہے، یہاں تک کمال کو پہنچ جائے۔ میں نے تم سے پوچھا کہ کوئی ان کے دین سے ناراض ہو کر مرتد بھی ہو جاتا ہے، تم نے کہا نہیں، ایمان کا حال یہی ہوتا ہے، جب دلوں کو اس کی چاشنی حاصل ہو جاتی ہے تو وہ ٹکلتا نہیں ہے۔ میں نے تم سے پوچھا کہ کیا وہ عہد و پیمان کی خلاف ورزی بھی کرتے ہیں، تم نے کہا نہیں، پیغمبر اسی طرح خلاف ورزی نہیں کرتے اور میں نے تم سے دریافت کیا کہ وہ کیا سکھاتے ہیں، تم نے بتایا کہ وہ تم کو یہ سکھاتے ہیں کہ تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو اور تم کو بتوں کی پوجا سے روکتے ہیں، نماز، سچائی، پاکدامنی کی تعلیم دیتے ہیں، اگر تمہارا کہنا سچ ہے تو عنقریب اس وقت جہاں میرے قدم ہیں وہاں تک ان کا قبضہ ہو جائیگا، مجھ کو یہ ضرور خیال تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے، لیکن یہ خیال نہ تھا کہ وہ عرب میں پیدا ہوگا، اگر میں وہاں جاسکتا تو ضرور ان کی ملاقات کے لیے جاتا اور اگر میں ان کے پاس ہوتا تو ان کے پاؤں دھوتا۔ (بخاری، باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، رقم الحدیث: ۷، مسلم، رقم الحدیث: ۱۷۷۳، ترمذی، رقم الحدیث: ۲۷۱۸، ابوداؤد، رقم الحدیث: ۵۱۳۶، مسند احمد: ۱/۲۶۳)

صحابہ کرام کا امتیاز

حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ستاروں سے تشبیہ دی ہے، فرمایا: میرے صحابہ ستاروں کے مانند ہیں، تم ان میں سے جن کی بھی اقتدا کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔ (جمع الفوائد: ۲/۱۰۲)۔ ستارے روشنی کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں، لہذا

اس میں کوئی ثریا ہے، زہرہ ہے، نجم ہے، تو کوئی کوکب ہے، ان سب کی امتیازی صفت یہ ہے کہ سب روشنی دیتے ہیں اور تاریکی کو دور کرتے ہیں جس کے ذریعہ انسان راہ یاب ہوتا ہے، حدیث صحیح میں مذکور ہے: ”تم پر میری سنت اور خلفائے راشدین۔ جو ہدایت یافتہ ہیں۔ کی سنت کا اتباع لازم ہے، تم اسے اختیار کرو اور اسے مضبوطی سے پکڑ لو“۔ امام بخاری نے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: انصار سے محبت ایمان کی نشانی ہے اور ان سے بغض رکھنا نفاق کی علامت ہے۔ (کتاب الایمان، باب علامۃ الایمان حب الانصار) ایک مرتبہ حضور ﷺ سے سوال کیا گیا کہ کون سا فرقہ نجات پائے گا اور جنت میں داخل ہوگا؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”وہ جماعت جو میرے اور میرے صحابہ کے راستہ پر ہوگی“۔ انصار ہوں کہ مہاجرین، سب ہر طرح کے خطرات اور تمام غزوات کے موقع پر استقامت کے ساتھ جمع رہے اور جس اعتماد کے ساتھ حضور ﷺ کے پاس رہتے اور مستفید ہوتے تھے اسے ہر وقت اور ہر حال میں بحال رکھا، چنانچہ پُرخطر مواقع پر کسی نے بھی پسپائی اختیار نہیں کی، غزوہ تبوک میں تین لوگ پیچھے رہ گئے تو احساس ندامت کی وجہ سے خود ان کی جان پر بن آئی تھی، ان تین میں ایک کعب بن مالکؓ بھی تھے، ان کا قصہ انھیں کی زبانی سنیے تو انداز بیان سے ہی معلوم ہو جائیگا کہ انھیں حضور ﷺ سے کس قدر والہانہ محبت تھی اور غزوہ تبوک میں شریک نہ ہو پانے کی وجہ سے کتنی ندامت ہوئی اور ضمیر نے کس قدر ملامت کی تھی، اسی دوران خبر پا کر ملک غسان نے اپنے گروہ میں شمولیت کی دعوت دی تو دعوت نامہ کو نذر آتش کر دیا اور اسے ایک طرح کی آزمائش خیال کرتے ہوئے وفا و حق پرستی اور استقامت کا ثبوت پیش کیا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو صحابہ کی پہلی جماعت تیار کرنے کا موقع عنایت فرمایا، لہذا حضور ﷺ نے انھیں جاہلیت کی گرد آلود فضا سے نکال کر ایمان کی روشنی میں لائے، چنانچہ سب کے سب عالم انسانی کی معزز ترین اور تاریخ ساز شخصیت کے روپ

کشمکش میں مبتلا تھی، اس جماعت نے آکر اس کی زندگی کا پلڑا بھکادیا اور ان تمام خطرات کو دور کر دیا جو اس کو درپیش تھے، اس جماعت کا ظہور پھر اس کا استحکام انسانیت کی بقا کے لیے ضروری تھا، اسی لیے جب اللہ تعالیٰ نے انصار و مہاجرین کی اخوت و محبت پر زور دیا تو فرمایا: ”اگر ایسا نہ کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ و فساد برپا ہوگا۔“

ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی میں صحابہ کرامؓ کی ایمانی تربیت و تکمیل کا سلسلہ جا رہا، قرآن برابر ان کے قلوب کو طاقت اور گرمی بخشتا رہا، رسول اللہ ﷺ کی مجالس سے ان کو استحکام، خواہشات نفس پر قابو، رضائے الہی کی سچی طلب اور اس کی راہ میں اپنے کو مٹانے کی عادت، جنت سے عشق، علم کی حرص، دین کی سمجھ اور احتساب نفس کی دولت حاصل ہوئی، وہ لوگ چستی اور سستی میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرتے، جس حال میں ہوتے خدا کی راہ میں اٹھ کھڑے ہوتے، یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی معیت میں دس سال کے اندر ستائیس بار جہاد کے لیے نکلے اور آپؐ کے حکم سے سو مرتبہ سے زائد کمر بستہ ہو کر میدان جنگ کی طرف گئے، ان کے لیے دنیا سے بے تعلقی آسان بن گئی تھی، اہل و عیال کے مصائب برداشت کرنے کے عادی بن گئے تھے، وہ لوگ مع اپنے قلوب کے، مع اپنے ہاتھ پاؤں کے، مع اپنی روحوں کے اسلام کے دامن میں آ گئے، ان پر جب حق واضح ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ سے کوئی کشاکش باقی نہ رہی، آپؐ کے فیصلہ پر ان کو کبھی ذہنی یا قلبی کشمکش پیش نہ آئی، جس بات کا فیصلہ آپؐ فرمادیتے ذرا اختلاف کی گنجائش باقی نہ رہتی، یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے روبرو اپنے چھپے قصوروں کا اقرار کیا اور اگر کسی گناہ میں مبتلا ہو گئے تو اپنے جسموں کو حدود اور سزاؤں کے لیے پیش کر دیا، شراب کی حرمت کا نزول ہوا ہے تو چھلکتے ہوئے جام ہتھیلیوں پر تھے، اللہ کا حکم ان کے بھڑکتے ہوئے جگر، آلودہ لبوں اور شراب کے پیالوں کے درمیان حائل ہو گیا، پھر کیا تھا، ہاتھ کو ہمت نہ تھی کہ اوپر اٹھ سکے، لبوں کی تمنائیں وہیں خشک ہو گئیں، شراب کے برتن توڑ دیے

گئے اور شراب مدینہ کی گلیوں اور نالیوں میں بہ رہی تھی۔

دنیا میں رہتے ہوئے مردانِ آخرت اور نقدِ سودے کے بازار میں آخرت کے قرض کو دنیا کے نقد پر ترجیح دینے والے بن گئے، نہ کسی مصیبت سے گھبراتے، نہ کسی نعمت پر اترتے، فقران کی راہ میں رکاوٹ نہ بن سکتا، دولت سرکشی پیدا نہ کر سکتی، تجارت غافل نہ کرتی، کسی طاقت سے نہ دبتے، اللہ کی زمین پر اکڑنے کا خیال بھی نہ آتا، بگاڑ اور تخریب کا وہم بھی نہ ہو سکتا، لوگوں کے لیے وہ میزانِ عدل تھے، وہ انصاف کے علمبردار تھے، اللہ تعالیٰ کے گواہ تھے، خواہ ان کو اپنے نفس کے خلاف گواہی دینی پڑے، خواہ والدین اور اعزہ کے مخالف جانا پڑے، تو اللہ تعالیٰ نے اپنی زمین کو ان کے قدموں پر ڈال دیا اور دنیا کو ان کے لیے مسخر کر دیا، وہ اس وقت دنیا کے محافظ اور اللہ کے دین کے داعی بن گئے، رسول اللہ ﷺ نے ان کو اپنا جانشین بنایا اور آپ خود ٹھنڈی آنکھوں کے ساتھ رسالت اور امت کی طرف سے اطمینان لے کر رفیقِ اعلیٰ کی طرف سفر کر گئے۔ (انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر: ۸۳-۸۶)

سلام دشمن ذرائعِ ابلاغ صحابہ کرامؓ کی شان کو نیچا دکھانے کے لیے اسلامی تاریخ کے بعض واقعات کو بہت زیادہ بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں اور غیر اسلامی ماحول میں نشوونما پانے والے نوجوانوں کے ذہن میں غلط تصویر بٹھاتے ہیں، حضور ﷺ کی تربیت پر شکوک و شبہات پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، کچھ چینلز تو حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد صحابہ کے موقف پر ایسے انداز میں سوالات کھڑے کرتے ہیں جس سے انسان شک میں پڑ جائے اور بسا اوقات ایسے الزامات لگاتے ہیں جو اسلام اور اسلامی شخصیات سے متعلق بے اعتمادی اور غلط فہمیوں کو جنم دیتے ہیں۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ جب ہم اسلام اور اسلامی علوم کی خدمت کرنے والوں کی خدمات پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ بات ڈھکی چھپی نہیں رہتی کہ جو اہتمام اور توجہ ہمارے علماء

نے علوم اسلامیہ و شرعیہ کے ساتھ کی وہ توجہ تاریخ کے ساتھ نہیں کی، جس کا نتیجہ یہ ظاہر ہوا کہ تاریخی روایات کو جمع کرنے اور ترتیب دینے کا کام ان لوگوں نے اپنے سر لیا جو ثقہ نہیں تھے اور انہوں نے بے احتیاطی سے یہ کام کیا اور رطب و یابس سب جمع کر لیا جس میں مخالفین اسلام کی صحابہؓ سے متعلق ایسی من گھڑت باتیں بھی آگئیں جو ان کی صحیح تصویر پیش نہیں کرتی ہیں اور ستم بالائے ستم یہ ہوا کہ مستشرقین نے سیرت نبوی، سیرت صحابہ اور اسلامی تاریخ کے وہ پہلو اجاگر کیے جن سے لوگوں میں شکوک و شبہات پیدا ہوں اور رائی کو پہاڑ بنانے کا کام کیا اور ایک خاص فکر سے یہ کام جاری رہا، یورپ کے مصنفین نے بعض عرب ادباء کو اپنے قافلہ میں شامل کر کے اور زیادہ نقصان پہنچا دیا۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ اصحاب رسول کے منہج اور طریقہ کار کو بیان کیا جائے، ان کے مقام و مرتبہ کو بیان کیا جائے، اللہ کی خوشنودی کے حصول کے راستہ میں ان کی قربانی، خلوص، امانتداری، خوف خدا، جنت اور آخرت کا شوق اور رسول سے ان کے عشق و محبت، اتباع رسول میں ان کی فدائیت، جاٹاری، وفاداری اور اشاعت اسلام اور اسلامی خلافت کے قیام کے راستہ میں ان کے کردار اور مثالی خدمات کو نئی نسل کے سامنے پیش کیا جائے، ان میں انصار اور مہاجرین کی کوئی تفریق نہیں؛ بلکہ جسے بھی صحبت رسول کا شرف حاصل ہوا اور صحابہ کی صف میں شامل ہوا، وہ سب قابل احترام ہی نہیں؛ قابل تقلید نمونہ ہیں۔ قرآن کریم میں اس کا اشارہ موجود ہے۔

سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:-

«لَا تَسْبُوا أَصْحَابِي فَوَ الَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ أَنْفَقَ أَحَدُكُمْ
مِثْلَ أَحَدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدًّا أَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيفَهُ»

میرے ساتھیوں کو برا نہ کہو، جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس کی قسم کہ اگر تم
میں کوئی احد (پہاڑ) کے برابر سونا خرچ کر ڈالے تو ان میں سے کسی ایک کے مد یا
نصف مد کے برابر صدقہ کی بھی برابری نہیں کر سکتا۔ (بخاری و مسلم)

«أَصْحَابِي كَالنُّجُومِ بِأَيِّهِمْ اِقْتَدَيْتُمْ اهْتَدَيْتُمْ»
میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں جس کی اتباع کرو گے ہدایت
پاؤ گے۔ (جمع الفوائد ۲/۲۰۱)